**روزنامچہ**، یہ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کے روزنامچہ کا گویا دوسرا حصہ ہے، دسمبر ۱۹۲۲ء سے دسمبر ۱۹۲۳ء تک کے سوانح و حالات پر مشتمل ہے، جنمین زیادہ تر خانگی اور پرائیوٹ حالات ہین، تاہم اس سے خواجہ صاحب کی پبلک لائف کا بھی تھوڑا سا خاکہ کھنچتا ہے اور ان کے مذہبی معتقدات کا بھی اظہار ہوتا ہے، اس سلسلہ مین خواجہ صاحب کے خواب جنمین سے اکثر "مذہبی" اثر مین ڈوبے ہوتے ہین، وہ بہت زیادہ "دلچسپ" ہین، روزانہ حالات کے بیان مین بہت سے اشخاص کے تذکرے بھی آگئے ہین، جو آیندہ تاریخ نویس کو مدد دینگے، ضخامت ۴۴۴ معارف سائز کاغذ معمولی، سرورق بیل بوٹیون سے آراستہ ہے قیمت عمر پتہ حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی،

**سفرنامہ مظہری**، جناب مظہر علیم صاحب انصاری ردولوی مرحوم چودہ برس تک آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور انجمن ترقی اردو کے عہدہ سفارت پر مامور رہ چکے تھے، اس تقریب سے ان کو تمام ہندوستان کے دورہ کا موقع ملا تھا اور مسلمان شرفا اور قصبات کو انھون نے دیکھا تھا، وہ اپنی یادداشت لکھتے جاتے تھے،

ان کے انتقال کے بعد ان کے برادر کرم جناب مولوی محمد حلیم صاحب انصاری مترجم تاریخ عرب نے ان کے روزنامچون کو منتخب کر کے "سفرنامہ مظہری" کے نام سے شائع کیا ہے، اس سفرنامہ مین حیدرآباد، اودھ، بہار اور صوبہ بنگال کے سفر کے حالات ہین، سفرنامہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مرحوم جن جن شہر اور قصبون مین گئے ان کی طویل فہرست، معززین سے ملاقات اور مہمان نوازی کے حالات پر اکتفا کرنے کی بجائے اس مین وہان کی جغرافی، تاریخی، علمی، اقتصادی، تعلیمی اور معاشرتی حالات پر گہری نظر ڈالی ہے، اور ہر شہر و قصبہ کے ممتاز اشخاص کے حالات بھی قلمبند کئے ہین اسلئے اس سفرنامہ مین موجودہ اسلامی ہندوستان کے اکثر صوبون کی ہو بہو تصویر نظر آتی ہے، آیندہ مورخ کے لیے یہ کتاب بیش قیمت امداد ہوگی، آج بھی اسلامی ہندوستان کو جاننے کے لئے یہ عجیب سرمایہ ہے، ضخامت ۲۶۰ صفحے، معارف سائز کاغذ معمولی اور کتابت و طباعت متوسط ہے، قیمت عہ پتہ جناب مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ناظم دینیات مسلم ہوسٹل یونیورسٹی الہ آباد،

**دو آتشہ**، اس پرچہ کے معارف مین تبصرہ کیا جا چکا ہے، پتہ کا اندراج باقی رہ گیا تھا، وہ یہ ہے، پتہ:- پرنٹنگ سپرنٹنڈنٹ شیخ صاحب


| عدد سوم | ماہ صفر ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۵ء، | جلد شانزدہم |
| --- | --- | --- |


## مضامین

# شذرات

اس مہینہ کا سب سے اہم واقعہ مدینہ منورہ کی سمت ابن سعود کی پیشقدمی ہے یہ دیکھکر شریف کے طرفدارون نے ہندوستان مین مختلف قسم کی افواہین پھیلا دین، اور اسی اثنا مین خواہ غلطی سے یا جان بوجھ کر رائٹر نے بیت المقدس سے یہ خبر تمام دنیا مین پھیلا دی، کہ خدانکردہ روضۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کو نجدیون کی گولہ باری سے نقصان پہنچا ہے، اس خبر نے تمام مسلمانون مین ایک آگ لگا دی، اور ایک عجیب طرح کی کشمکش مختلف خیال کے مسلمانون کے درمیان پیدا ہوگئی، بحمد اللہ کہ اس افواہ کی لغویت ثابت ہوگئی ہے، تاہم بعض اکابر مسلمانون کی جلد بازی سے جو نقصان پہنچ چکا ہے بمشکل اس کی تلافی ہوسکتی ہے، افسوس کہ ہمارے دشمن باہم مل رہے ہین، اور ہم پھٹ رہے ہین،

---

مکہ معظمہ کے بعض مزارات اور موالد پر تاریخی حیثیت سے زمیندار مین، اور مدینہ منورہ کے حملہ کے متعلق ہمدم مین میرے خیالات ظاہر ہوچکے ہین، اور وہ اکثر ناظرین کے مطالعہ مین آچکے ہون گے، اس لیے ان کے اعادہ کی حاجت نہین، لیکن ہم کو لکھنؤ کے علما، اور تعلیم یافتہ اصحاب کی اس تاریخی واقفیت پر ہمیشہ حیرت رہے گی کہ مشہور جلسہ "تحفظ آثار متبرکۂ حجاز" کی دلولہ انگیز تقریرون مین سب سے زیادہ ماتم حضرت آمنہ، حضرت ابوطالب (رسول اللہ صلعم کے چچا) اور حضرت عبدالمطلب، آنحضرت صلعم کے دادا کے مزارون کے یا صرف قبون کے ٹوٹنے پر کیا گیا، حالانکہ حضرت آمنہ کا مدفن مکہ سے بیسیون میل دور ابوا مین ہے ابوطالب کا مزار حضور صلعم کے چچا کا نہین، بلکہ شریف ابوطالب المتوفی ۱۰۱۲ھ کا ہے اور اسی طرح یہ عبدالمطلب آنحضرت صلعم کے دادا کا نہین، بلکہ شریف عبدالمطلب المتوفی ۱۲۷۰ھ کا ہے



لیکن جاہل مطوفون اور مجاورون نے ان کو کہین سے کہین ملا دیا، صحیح آثار متبرکہ کی شرعی حیثیت سے کس کو انکار ہے، اور انکی تبرک طلبی سے کس مسلمان کا دل خالی ہے،

---

اسی کے ساتھ ہم ابن سعود اور ان کے علماء کو کہنا چاہتے ہین، کہ اگر حقیقت مین وہ عقائد صحیحہ کو مسلمانون مین پھیلانا چاہتے ہین، تو وہ زمین سے مزارات اور قبون کو توڑ کر نہین پھیلا سکتے، بلکہ وہ صحیح تعلیم، وعظ و پند اور حکمت و موعظت سے پھیلا سکتے ہین، ابن سعود اول آج سے سوا سو برس پہلے کیا، اس سے بہت کچھ زیادہ نہین گم گذرا لیکن کیا ہوا، ٹوٹی دیوارین پھر بنگئین گرے ہوئے قبے پھر بلند ہوگئے، ٹوٹی ہوئی پتھر کی سلین پھر درست ہوگئین شکستہ لکڑی کے ڈھانچے پھر کھڑے ہوگئے، اسی طرح جو خلاف شرع چیزین آج توڑی گئی ہین، اگر وہ صرف زمین سے توڑی گئی ہین، اور دلون مین اسی طرح بنی کھڑی ہین، تو کل وہ اوسی طرح زمین پر پھر بنجائینگی، اسلئے اصلاح کا مستحکم اور مضبوط طریقہ، صحیح تعلیم، اور کتاب و سنت کی اشاعت ہے،

---

صحیح تعلیم صرف اون چند کتابون اور رسالون مین محدود نہین ہے، جو ابن عبدالوہاب کی تصانیف ہین، بلکہ تمام ائمۂ سلف اور ہر مذہب فقہی کے مستند علما، کی تصنیفات مین موجود ہے، بلکہ درحقیقت خود نفس قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی اشاعت ہی ہر قسم کی بدعتون کے استیصال کے لئے کافی ہے، اس مین کسی مذہب و فرقہ کے اشخاص کی دل آزاری کی ضرورت نہین، اگر اعراب اور بدون مین مذہبی تعلیم پھیل جائے، تو حجاز سے ہر قسم کی بدامنیون اور لوٹ مار اور خلاف شرع امور کا خاتمہ ہوجائے، صرف تلوار کے زور سے امن ہمیشہ قائم نہین رکھا جاسکتا، مگر یہ فرض تنہا ابن سعود کا نہین، بلکہ تمام دنیا کے مسلمانون کا ہے

گذشتہ مہینہ کی خبرون مین روس سے ایک خبر آئی ہے کہ وہان کے شاہی کتبخانہ مین اٹھارہ سو برس کی لکھی ہوئی ایک قدیم فارسی کتاب ملی ہے جسکو عربی زبان کی مشہور داستان الف لیلہ کی اصل سمجھا جاتا ہے، اس پر بعض لوگون کو تعجب ہو کہ ایک عربی کتاب جس مین زیادہ تر خلفائے عباسیہ کے متعلق حکایات ہین فارسی مین ۱۸۰۰ برس پہلے کیسے موجود ہو سکتی ہے، لیکن ہم کو خوشی ہے کہ اس سے ہمارے قدیم مسلمان محققین کی تحقیق اور دیانتداری کا ثبوت ملتا ہے ابن ندیم نے کتاب الفہرست مین تصریح کی ہے کہ فارسی کتاب ہزار داستان (ہزار قصے) کا فارسی سے عربی مین ترجمہ ہوا اور یہی الف لیلہ کی بنیاد اول ہے، اس کے بعد اس مین ہزارون قصے، واقعات، حکایات کا بعد کو اضافہ رد و بدل اور ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی، اور فارسی مذاق کے بجائے اس مین عربی مذاق کا لحاظ رکھا گیا، عموماً جن و پری کے قصے اصل فارسی کے ہین، باقی اضافے ہین، لیکن بہرحال موجودہ مواد کے لحاظ سے الف لیلہ ہزار داستان سے بالکل الگ چیز ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کے قصون کے لکھنے کا نمونہ ہزار داستان تھا، اور اسی سے اس انداز پر قصون کے لکھنے کی تحریک اہل بغداد مین پیدا ہوئی، کیونکہ الف لیلہ کے مصنفین کی شخصیتون کے ذکر سے تاریخ تمام تر خاموش ہے، اور ایسی کتاب کے جسمین سلاطین کی خانگی زندگیون کا پردہ چاک کیا گیا ہو مصنفین کی گمنامی کا سبب بالکل ظاہر ہے۔

---

جناب مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی (بی اے) جنکی مذہبی اصلاحی کوششین بحمد اللہ کہ روز افزون ہین، ان کی تحریک سے ایک صاحب نے تمام علمائے ہند کے فتاوی دربارہ حرمت تعزیہ داری جمع کئے ہین اور ان مین شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی سے لیکر اس وقت تک کے علماء کے فتوے موجود ہین جنمین چند علمائے ندوہ اور علمائے دیوبند کے بھی فتوے شامل ہین اودھ مین رہ کر کوئی تحریک مذہبی اٹھے اور اس کا مرکز لکھنؤ کا ایک خاص گوشہ نہ ہو، اس سے بڑھکر



اس کے عدم جواز کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک جوابی اشتہار مین "حاجی شبراتی" کی طرف سے بحوالۂ جمیع علمائے فرنگی محل نہ صرف اوس کے جواز بلکہ استحباب کا فتوی شائع کیا گیا ہے، اور جسکو شک ہو اوسکو فرنگی محل کی ایک "مقیم ہستی" کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کیگئی ہے،

---

ہمین اس سے کوئی بحث نہین، اگر "جمیع علمائے فرنگی محل" اس کے جواز و استحباب کا فتوی دیتے ہون مگر آج سے چند سال پہلے جناب مولانا عبد الباری صاحب کی تالیف سے فتاوائے علمائے فرنگی محل کا مجموعہ فتاوی قیام الملۃ والدین کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس کے صفحہ ۲۰۳، ۲۹۶ پر حضرت مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی مولوی خادم احمد صاحب، مولوی علی محمد صاحب، مولوی عبد الہادی صاحب، وغیرہم کے فتاوی مراسم تعزیہ داری کی حرام اور معصیت ہونے کے متعلق موجود ہین کہئے یہ حکم رہے، یا کہئے وہ ارشاد رہے

---

اس اعلان مین ہدایت کے جلی عنوان کے نیچے عبارت ہے "اہل سنت کو چاہیئے کہ لامذہبون، دہریون، اور غیر مقلدون، اور دیوبندیون اور ندویون کے فتوون سے بچین، اور علماء سلف کی پیروی کرین" ہمارے خیال مین اس کے بعد ایک فقرہ چھوٹ گیا ہے اور وہ یہ کہ "یعنی حضرت ہماری پیری کرین" کیا ہمارا قیاس درست ہے؟

---

"علمائے سلف کی پیروی کرو" بالکل صحیح، مگر وہ علمائے سلف کون ہین جنھون نے اسکے جواز کا فتوی دیا ہے؟ کیا امام ابو حنیفہ؟ کیا امام محمد؟ کیا امام ابو یوسف؟ کیا امام مالک؟ کیا تیسری صدی کے علما اور ائمہ؟ یا بعض علمائے فرنگی محل جو شاہان اودھ کے زیر حکومت تھے، اگر انھون نے اسکے جواز کا کبھی "مصلحۃً" فتوی دیا ہو تو وہ قابل قبول نہین، ورنہ عام علمائے فرنگی محل کا معیار تقوی تو ہمین یقین ہے کہ اس سے زیادہ بلند تھا،

# مقالات

## عالم اسلامی کی تنظیم کا مسئلہ

## اور

## مسلمانون کا انتشار خیال

## (۲)

پچھلے مضمون مین "عالم اسلامی کی تنظیم" جس کے دوسرے معنی خلافت و امامت عامّہ کے قائم کے ہین، کے بارہ مین دنیائے اسلام کے مشاہیر ارباب فکر کے خیالات پیش کئے جا چکے ہین، جنکو پڑھ کر یہ معلوم ہوگا، کہ اصل مین اس انتشار خیال کے تین اسباب ہین، اور تینون براہ راست یورپ کے اثرات ہین، اصل یہ ہو کہ یورپ کے اس فاتحانہ غلبہ، اور تمدن و ترقی اور شان و شکوہ کے نظارہ نے ہمارے ترقی خواہ نوجوانون کی آنکھون کو خیرہ کر دیا ہے، اونھون نے اپنی پوری تلاش و تحقیق سے یورپ کی اس موجودہ ترقی و تفوق کے اسرار ڈھونڈے تو اونھین انھین تین باتون کا سراغ چلا، اصول مذہبی کو چھوڑ کر اصول تمدن کو اختیار کرنا، عالمگیر مذہبی برادری کے خیال کو ترک کرکے قومیت اور حبِّ وطن کی روح کو تازہ کرنا، مذہب اور سیاست کو باہم الگ کر دینا،

انھین اصول سہ گانہ کا یہ اثر ہے، کہ کوئی یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسلام مین سیاست اور نظام حکومت کا کوئی خاص خاکہ فرض نہین کیا گیا ہے، جسکو چھوڑ کر ہم دوسرے بہتر سیاسی خاکہ کو قبول نہ کر سکین، عالمگیر خلافت کا تخیل اسلام مین نہین، کیونکہ یہ قومیت اور حب وطن کی روح اسکی اسپرٹ کے خلاف ہے، سیاسی



اور مذہبی طاقتون کو الگ الگ ہاتھون مین ہونا چاہیئے تاکہ سیاسی عنانداروں، اور تمدنی مصلحین کے راستہ مین مذہبی احکام کی موجودگی سدِّ راہ نہ ہو سکے،

ان تمام ضلالتون اور غلط فہمیون کا صرف ایک سبب ہے، اور وہ ہمارے علماء کا جمود ہے، اور موجودہ تقلیدی رسمی اعمال و افعال کو اصلی مذہب کا رتبہ دینا، بدعات و خرافات اور رسوم و رواج کو اصل دینداری جاننا، پچھلے دور انحطاط کے فقہا اور ان کے فتاوٰی پر اس قدر جمود گویا کہ وہ غلطیون سے معصوم، اور خطاؤن سے مبرّا ہین، اور کتاب و سنت کے اصل ماخذ و مرکز کی طرف تمدنی مشکلات اور مذہبی مسائل کے حل کرنے مین رجوع نہ کرنا، اور یقین کرنا کہ نئے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا اور ہمارے نوجوان تعلیم یافتون نے یہ سمجھ لیا کہ یہی لوگ اسلام کے اصل نمایندے ہین، اور مسلمان اس وقت جن خیالات، بدعات اور خرافات مین مشغول و مصروف ہین، یہی اسلام اور یہی مسلمانی ہے،

دوسری طرف یورپ کی ظاہری شان و شکوہ، چہل پہل، غلبہ و استیلاء کا ہمارے نوجوان افراد ملت پر اور خصوصاً مصر و ٹرکی اور شام کے نوجوان مسلمانون پر یہ اثر ہوا ہے کہ وہ یورپ کی ہر ادا کو محبوب، اوس کے ہر فعل کو صواب، اسکی ہر حرکت کو مایۂ نازش، اس کے ہر خیال کو آیت یقین، اس کے ہر نظریہ کو ہمپایۂ وحی، اس کے ہر فیصلہ کو ناقابل شکست اسکی ہر آواز کو ہم معنی قم باذنی سمجھتے ہین، اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ غلط، سزاوار ترک، اور باعث انحطاط ہے،

مولانا شبلی مرحوم نے انھین نوجوانون کا خاکہ ان موزون الفاظ مین کھینچا ہے،

ایکہ بر مائدۂ یورپ مھمان باشی — حیف باشد اگر از جملۂ ایشان باشی

حیف اگر از اثر فلسفۂ مغربیان — منکر از فلسفۂ سنت و قرآن باشی

مسحور شعبدۂ جلوہ و ہد سر نہی — منکرِ معجزۂ موسیٰ عمران باشی

گفتۂ سولن و آئین جہان بانیِ او — بر زبان داری و بیگانہ ز نعمان باشی

از ہنیبال صد افسانہ و دستان گوئی | جاہل از معرکہ ہائے شہ مردان باشی
قیصران راہمہ یک یک بشماری زآغاز | بیجز از عمرؓ و حیدرؓ و عثمان باشی

مولانا کے قلم نے ہمارے نو تربیت یافتہ نوجوانون کی جو تصویر کھینچی ہے، وہ مبالغہ نہین ہے، واقعہ ہے، ایک تعلیم یافتہ مشہور ترک بھائی نے جنکے نام سے ہندوستان کے لوگ بھی واقف ہین، سلسلۂ کلام مین غزوۂ بدر کا نام آیا تو حیرت سے لاعلمی کا اظہار کیا،

غرض اس وقت عام طور سے جو تعلیم پھیل رہی ہے وہ ایسی ہے کہ اس کا نتیجہ ہی یہ ہونا چاہیئے کہ ہر اسلامی ملک مین دو قسم کے لوگ پیدا ہو جائین، قدیم مذہبی تعلیم کے فرزند جو مذہب اور اسلامی تمدن کے احکام اور مصالح کو خوبصورتی کے ساتھ جدید قالب اور ضروریات مین ڈھالکر نہین پیش کر سکتے اور دوسری طرف جدید تعلیم کی نسل ہے جو فرنگیت مین ڈھلکر سوائے یورپین تمدن، یورپین علوم اور یورپین قوانین کے اپنے گھر سے بالکل بیگانہ ہے، اس دوعملی مین ظاہر ہے کہ مسلمانون کے کسی ملک مین بھی کوئی قومی نظام نہین بن سکتا، یہی جنگ ٹرکی مین علماء اور فرنگی مآب اشخاص کے درمیان ہے یہی جنگ بخارا اور ترکستان مین **قدیمی** اور **جدیدی** دو فرقون کے نامون سے برپا ہے، یہی جنگ افغانستان مین ملاؤن اور عام اصلاح طلب نوجوان کے اندر پیدا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس درد کا علاج کیا ہے؟ مولانا **شبلی** مرحوم کی زبان مین، اسکا علاج یہ ہے:-

اگر پرسی کہ درین کار چہ تدبیر بود
دین و دنیا بہم آمیز کہ اکسیر بود

یعنی ضرورت ہے کہ مسلمانون کے ہر ملک مین ایسے علماء پیدا ہون جو جدید علوم و فنون وآداب سے واقف ہو کر، نئے علوم و فنون سے واقف کار افراد پر اپنا اثر قائم کرین، اور شریعت کے آداب و مصالح اور اسرار و حکم سے اُن کو آگاہ کرین، اور ان کے زاویۂ نظر کے مطابق یا وہ اگر



غلط تھے تو اس کو درست کر کے مذہب کے احکام کو دکھائین کہ ان کے فہم مین آئین اور وہ خدا اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کرین، اور ہمارے نوجوان جدید تعلیم اشخاص کا فرض ہے کہ مذہبی تعلیم حاصل کرین اور یقین نہ کرین کہ صرف یورپ اور یورپ کے احکام و طرز تمدن کی نقالی ہی انکی سیاسی و اقتصادی بدبختی کا درمان ہو سکتی ہے،

آج کل اسلامی سلطنتونکے کارفرما اور ارکان مجالس تمامتر وہ افراد ہین جو مذہبی قوانین و احکام اور کتاب و سنت اور فقہ سے بالکل بے بہرہ ہین، ان کے سامنے صرف موجودہ یورپین سلطنتون کی نظیرین ہین، وہین کے قوانین انھون نے پڑھے ہین، وہین کا فلسفۂ قانون وہ جانتے ہین، اور اسی کو وہ ترقی کا راز اور سلطنتون کے سدھار کا اصلی سبب سمجھتے ہین، یورپ مین سیاست اور مذہب الگ کر دیا گیا ہے، مذہبی لوگون کو سلطنت اور وضع قانون سے واسطہ نہین، اور سلطنت اور قانون کے کارپردازون کو مذہب اور دین سے تعلق نہین، لیکن سمجھ لینا چاہیئے کہ سوائے طلاق کے اور کوئی قانون عیسوی مذہب کی انجیل مین نہین، اسلیے عیسوی مذہب قانون سے خالی ہے، اس لیے پادریون کو سلطنت و قانون سے کوئی واسطہ نہین، لیکن اسلام کا یہ حال نہین،

یورپ کے قانون کا اساس، رسم و رواج، اور رومن قانون ہین اور اسلام کے قانون کی بنیاد کتاب اور سنت ہے، اور ان سے ماخوذ ہر زمانہ کی فقہ ہے، یہ کہنا کہ اسلامی فقہ موجودہ سلطنتون کے لیے ناکافی ہے، انتہائی جہالت ہے، ابھی ہماری نئی سلطنتین تو چوتھائی صدی کی عمر بھی بسر نہ کر سکی ہین، لیکن ہماری گذشتہ سلطنتین جو صدہا سال سے دنیا کے طول و عرض مین قائم رہین، ان کا مدار انھین اسلامی قانون پر رہا، اور انھون نے وہ عروج و ترقی حاصل کی، اور وہ عدل و انصاف اور رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان کیا، جسکی نظیر موجودہ سلطنتون مین بھی نہین ملسکتی، خلافت راشدہ، خلافت بنو امیہ اور خلافت عباسیہ مین جب تک دم رہا براہ راست کتاب و سنت، اور ائمہ کے فیصلون پر عمل

لیکن تیسری صدی کے بعد جب فقہی فرقے پیدا ہوئے اور تقلید کا آغاز ہوا، تب بھی شافعی، مالکی اور حنفی فقہین بڑی بڑی سلطنتون کا قانون رہین، اسپین اور مراکش مغرب کی عظیم الشان سلطنتین فقہ مالکی پر چلین، سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت فقہ شافعی پر قائم تھی، سلجوقیون، مصری چرکسیون، عثمانی ترکون اور مغلون اور پٹھانون کی تمام سلطنتین حنفی فقہ کے اصولون پر حکمران رہین، مگر ان کی دنیاوی ترقیون، فتوحات، مالی خوشیون، اور عدل و انصاف مین یہ اسلامی قانون کبھی عائق نہین ہوئے،

ہم کو اس سے انکار نہین کہ اسلامی سلطنتون مین کبھی کبھی ظلم بھی ہوئے مگر یقیناً یہ اسلامی قانون کے ماننے سے نہین ہوئے، بلکہ اون کے نہ ماننے سے ہوئے، وہ مظالم قانون پر عمل کرنے کے نہین بلکہ قانون کے توڑنے کے نتائج ہین، خصوصاً ترکی، تاتاری اور مغل سلاطین کہ انھون نے فقہ اسلام کے ساتھ ساتھ مسلمان ہوجانے کے باوجود بھی چنگیز و ہلاکو کے سیاست نامہ کو نہین چھوڑا اور اس کے لیے جب کبھی ایماندار اور بہادر علما کا وجود ہوا انھون نے ایمانی شجاعت کے ساتھ سلاطین کا مقابلہ کیا،

بہر حال یہ سلطنتین گو پوری پوری شریعت اسلامیہ پر عامل نہین رہین، تاہم وہ کامیاب رہین، تو اگر وہ حقیقت مین اسلامی قانون پر کاربند ہوتین اور سلاطین اپنے کو مطلق العنان نہ سمجھتے، بلکہ قانون الٰہی کے پابند رہتے، تو اونکی ترقی اور عدل و انصاف کے نمونے خدا جانے کیا کیا ہوتے، ہمارے جدید ارکان سلطنت کو یہ دھوکا ہے کہ ہماری سلطنتین اسلامی قانون کی پابندی سے برباد ہوئین، حالانکہ وہ ان کے سلاطین کی مطلق العنانیون، اسلامی قوانین کے عدم متابعت اور اسلامی اصول سلطنت کے نہ برقرار رکھنے سے تہ و بالا ہوئین،

ہمارے نوجوان ارکان سلطنت کہتے ہین کہ آج ہم کو نئی نئی ضرورتین درپیش ہین، نئے نئے مسائل سامنے ہین، نئے نئے معاملات اور معاملات کی نئی نئی صورتین آگے ہین، جنکا جواب ہم کو اسلام کے قانون سے نہین ملتا، لیکن اس کی وجہ تو یہ ہے کہ آپ نے ہماری پرانی سلطنتون کی طرح علمائے



مجتہدین کے پیدا کرنے کا سامان نہین کیا، کون کہہ سکتا ہے کہ فاروق اعظم کی سلطنت کے ضروریات ہارون الرشید کی سلطنت کے ضروریات کے بالکل برابر تھین، زمانہ کے ہر قدم کے ساتھ معاملات کے نقشے بھی بدلتے رہتے ہین، مگر ہارون الرشید کے ساتھ قاضی ابو یوسف کا وجود بھی تھا،

اس قدر جو کچھ کہا گیا اس کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے موجودہ ارکان سلطنت اسلامی اصول سیاست پر سلطنت کرنے سے گریز کر رہے ہین، اور اسی مین اپنی فلاح سمجھتے ہین کہ انکی سلطنتین مذہب اور مذہبی اثر سے بالکل خالی ہون اور وہ اس کو اپنی کامیابی کا ذریعہ جان رہے ہین، اسی لیے وہ **خلافت** کے قبول کرنے سے جسکی بنا پر اونکی سلطنت مذہبی ہو جائیگی اپنے کو بچاتے ہین، جمہوریت جسکی ہوا آجکل دنیا مین چل رہی ہے، وہ لوگ اپنی کوتاہ اندیشی اور علمائے وقت کی تنگ خیالی کے باعث، اسلام کے اصول سیاست اور طریق حکمرانی کے خلاف سمجھ رہے ہین، اس لئے بھی اپنی جمہوریت کے بچانے کیلئے خلافت سے دست برداری کرتے ہین، لیکن حقیقت مین یہ غایت درجہ کی اسلام کی روح سے ناآشنائی کا ثبوت ہے، اسلام نے تو جمہوری ہی سلطنت کا نقشہ ہمارے پیش نظر کیا ہے، لیکن ہمارے سلاطین اور امرا نے اس نقشہ کو شخصیت کے رنگ مین بدل دیا ہے،

البتہ موجودہ جمہوریت اور اسلامی جمہوریت مین کچھ فرق بھی ہے، موجودہ جمہوریت کے لیے شریعت الٰہی سے واقفیت ضروری نہین، اسلامی جمہوریت کی صدارت کے لیے دوسرے شرائط کے ساتھ شریعت الٰہی سے واقفیت ضروری ہے،، دوسرا فرق یہ ہے کہ رایون کی کثرت اور قلت غلطی اور صواب کا معیار نہین ہے، بلکہ کتاب و سنت سے قریب ہونا یا نہ قریب ہونا صحت اور خطا کی پہچان ہے، اس کے لیے ضرورت ہے کہ ہمارے ارکان سلطنت جس طرح رومن لا اور یورپین قوانین سے واقف ہین وہ اسلامی قانون سے بھی آگاہ ہون، بلکہ وہ جس طرح قوانین یورپ کے ماہر ہین وہ خود اسلامی قانون اور اس کے ماخذ سے آگاہ ہون، تو وہ خود علما رہین اور ان کو "تنگ خیال ملاؤن"

کی بھی شخصیت نہین رہے گی اور ان کو مذہب؟ یا تمدن؟ کی کشمکش سے نجات مل جائیگی،

**خلافت** یا امامت کیا چیز ہے؟ مسلمانون کی منظم جماعت کی سرداری، جبتک مسلمان ممالک کی وسعت ایک دائرہ کے اندر سماسکی تو یہ واحد منظم جماعت کی سرداری تھی، چنانچہ خلافت راشدہ اور خلافت بنی امیہ مین اسپین سے لیکر ہندوستان کی سرحد تک تمام مسلمان صرف ایک سردار کے زیر علم تھے، بنو عباس جب تخت نشین ہوئے تو اسپین الگ ہوگیا، اور بقیہ ممالک ایک ساتھ رہے، اس کے بعد خلافت عباسیہ کے ضعف اور ترکون، تاتاریون اور دوسری قومون اور ملکون مین اسلام کی اشاعت کے بعد جب بیسیون اسلامی حکومتین قائم ہوگئین تو حقیقت مین خلافت، یا امامت کی حیثیت آجکل اصطلاح مین مسلمان اقوام کی جمعیت کی سرداری کی ہوگئی، گو یہ صورت باقاعدہ نہ تھی لیکن خاکہ یہی تھا، جن لوگون نے ہمارے رسائل "دنیائے اسلام اور خلافت" وغیرہ پڑھے ہین، ان کو اس نظریہ کے تسلیم کرلینے مین کوئی عذر نہ ہوگا، یہ بھی معلوم ہونا چاہئیے کہ اسلام نے امامت یعنی مسلمان جماعتون کی تنظیم اور سردار نظام یعنی امام وامیر کی صحیح اطاعت کو فرض قرار دی ہے، مگر کوئی ایسا حکم نہین دیا ہے جسکی بنا پر مسلمان اوس کے فروعی اختیارات وطریقۂ تنظیم اور دیگر جزئی مسائل کی ترمیم وتجدید مین بالکل مجبور ہون، اسلیے اگر موجودہ ضروریات اور مصلحتین قدیم طریقۂ تنظیم مین کسی مناسب ترمیم اور تجدید کی متقاضی ہون، تو اون پر ہر وقت غور کیا جاسکتا ہے،

اس وقت یورپ بے چین ہے، اس کا امن وامان معرض خطر مین ہے سالہا سال کی خونریزی کے بعد اس نے اپنی بے چینیون کا علاج **جمعیۃ الاقوام** کا نسخہ تجویز کیا ہے، لیکن کسقدر افسوس کی بات ہے کہ اسلام نے **امامت کبری** یعنی تمام دنیا کے مسلمانون کی ایک سرداری، کا نسخہ جو جمعیۃ اقوام اسلامیہ کے ہم معنی ہے، پہلے سے ایجاد کردیا ہے، لیکن ہماری مسلمان قومین اس نسخہ سے فائدہ نہین اٹھانا چاہتی ہین، اور دوڑ دوڑ کر شتا نہ ہیگ کی عدالت عامہ کی جمعیۃ الاقوام کی طرف



جاتی ہین، اور اوس کی رکنیت کو اپنی آزادی اور خود مختاری کا ضامن جانتی ہے، حالانکہ اونکی آزادی اور خود مختاری کی حقیقی ضمانت اگر ہوسکتی ہے تو امامت کبری کی تنظیم سے، جسکو تم مسلمان اقوام کی جمعیت کا لقب دے لو،

ہمنے پچھلے صفحون مین فقہ اسلامی اور قانون دنیاوی پر جو بحث کی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام روحانی اور سیاسی دو الگ الگ قوتون سے واقف نہین عیسائی یورپ کا مدار انجیل کے اس فقرہ پر ہے کہ "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دیدو، جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو" لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ، "خدا کے سوا اور کسی کی حکومت نہین" بقول ایک امریکن مصنف کے "قیصر کون ہے جو خدا کی بادشاہی مین ساجھی ہے؟" اسلام مین چرچ اور اسٹیٹ، دین اور دنیا دو الگ چیزین نہین دنیا داری ہی کو قانون الٰہی کے مطابق انجام دینا دینداری ہے، جو اسٹیٹ کا سپاہی ہے، وہی چرچ کا نمازی ہے، ان دونون کو الگ کرنا ہی تو ہماری تباہی کا سبب ہوا ہے، اگر ہماری دنیا داری دینداری ہوتی، اور دینداری دنیا داری، اور اگر ہمارے سپاہی نمازی ہوتے اور ہمارے نمازی سپاہی تو یہ دن ہی دیکھنے کیون پڑتے؟،

ہماری تفرقی اور انتشار کی مصیبت کو جس نے سب سے زیادہ ابھارا ہے وہ قومیت پرستی کا وہ جذبہ ہے، جو یورپ کی نیشنلزم کی نقالی کرکے ہمنے حاصل ہے، یہی وہ جذبہ ہے، جس کے مٹانے کے لیے اسلام آیا تھا، اور جس جذبہ کو اوس نے جاہلیت کی عصبیت" کہکر پکارا ہے، اوسکی صدا تو یہ تھی "ہمنے تمکو مختلف قومون اور قبیلون مین اس لیے بنایا ہے تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچانو، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ، تم مین سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے" جس نے کہا، "ہان! عجمی کو عربی اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہین" جس نے کہا، "ہان! اے انسانون تم سب ایک آدم کے [illegible] آدم مٹی سے بنے تھے"،

ہم مین ترک وعرب، عجم وعرب، ہند وچین، کے جھگڑے پیدا ہو گئے، مسلمانون مین اب تک صرف ایک قومیت تھی، اور وہ صرف اسلام کی، مسلمان جس ملک سے جس ملک کو نکل جاتا تھا، وہ اپنے کو تمام حقوق کے لحاظ سے اپنے ہی ملک مین سمجھتا تھا، مگر اب ترک اپنی تورانیت، ایران اپنی پارسیت مصر اپنی مصریت، عرب اپنی عربیت پر نازان ہے، اور اسی جذبہ کی ترقی کو اپنی آیندہ کامیابی کی بنیاد قرار دینا چاہتا ہے، بحمداللہ کہ ہندوستانی مسلمان اب تک اس نجاست سے پاک ہے،

دیکھنے مین یہ معمولی بات ہے، مگر اس کا نتیجہ آپ جانتے ہین کس قدر اہم ہے، جس جذبہ کو ترقی دو گے وہی تمھاری حیات کا سررشتہ بن جائے گا، اگر مسلمانون کی بنیاد اسلامیت پر رکھی جائے گی تو مذہبی روح کے دوبارہ پیدا ہونے کی امید ہے، جیسا کہ ہندوستان کی اس گذشتہ تحریک مین تمنے دیکھ لیا لیکن جن اسلامی ملکون نے اپنی اپنی کوششون کا محور قومیت اور وطنیت کو قرار دیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہان جاہلیت کا عہد دوبارہ عود کر آنے کا خطرہ دامنگیر ہے، نوجوان مصری اپنے اہرام اور اپنے فراعنہ پر ناز کر رہا ہے، نوجوان ایرانی اپنے زردشت اور دارا اور خسرو پر فخر کر رہا ہے، نوجوان عرب امرؤالقیس اور عنترہ پر پھول رہا ہے، اور سبا و حمیر کے تمدن کو یاد کر رہا ہے، نوجوان ترک ہلاکو اور چنگیز کی اولاد ہونے پر شادان اور فرحان ہے، اسلام کا فرزند کوئی نہین، مولانا محمد علی نے وفد خلافت یورپ کی ایک تقریر مین مصری بھائیون کے جواب مین ایک نہایت بلیغ فقرہ استعمال کیا تھا، انھون نے کہا "اگر تمکو موسیٰ پر ناز ہے تو تم ہمارے بھائی ہو، لیکن اگر تمکو اپنے فرعون پر ناز ہے تو ہمکو تم سے تعلق نہین"

آج مصر و ایران، اور ترک وعرب ممالک مین نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ یہ قومی جذبات ترقی پا رہے ہین، یہ جس قدر زیادہ ترقی پاتے جائین گے اوسی قدر عالمگیر اسلامی نظام کے دانے بکھرتے جائین گے، اسی پرچہ مین تلخیص و تبصرہ کے زیر عنوان فلسفۂ تاریخ عثمانی کے نام سے عثمانی ترکون کے عروج و زوال کا راز ظاہر کیا گیا ہے، مصنف کہتا ہے، ترکون کی یورپ مین فتوحات اور ترقی



کا راز یہ تھا کہ ایک طرف ترک وعرب وکرد وروغیرہ مسلمان قومین متحد تھین، اور دوسری طرف عیسائی کیتھولک اور آرتھوڈکس کی فرقہ بندیون مین بٹے ہوئے تھے، ہر عیسائی فرقہ دوسرے عیسائی فرقہ کی تباہی سے خوش ہو رہا تھا، زمانہ الٹا تو صاف حالت بدل گئی، مسلمان ترک وعرب کی قومیتون مین بٹ گئے، اور ادھر تمام عیسائی قومین متحد ہوگئین، نتیجہ زوال تھا!

اس سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ ایک ملک اور ایک قوم کے بھی تمام مسلمان باہم متحد نہین عرب کی ایک قوم آج بیسیون قوم بنگئی ہے، عرب کا ایک ملک بیسیون ٹکڑون مین تقسیم ہے، ہندوستان کیا قومی حیثیت سے، کیا مذہبی حیثیت سے، کیا خیالات اور افکار کی حیثیت سے آج اتنے ٹکڑون مین منقسم ہے، کہ شاید آج سے پہلے کبھی نہ تھا، پیرون کی تقسیمین ہین، مذہبون کی تقسیمین ہین، انجمنون کی تقسیمین ہین، ذاتون کی تقسیمین ہین، قومیتون کی تقسیمین ہین، ہر قومیت کے الگ الگ مستقل نام و نسب، مستقل تاریخ، مستقل جد و جہد، مستقل اسکول، مدرسہ، اور انجمن کی بنیاد پڑ رہی ہے، ہر پیشہ کے مسلمانون کی ایک مستقل قوم تیار ہو رہی ہے،

خوش قسمتی یا بدقسمتی سے میری تاریخ دانی نے شہرہ حاصل کر لیا ہے، حالانکہ "من آنم کہ من دانم" اس شہرت نے لوگون کو یہ غلط توقع دلا دی ہے، کہ مین ہر قوم اور ہر ذات کے نسب و تاریخ کو فوراً بتا دون گا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شاید ہی کوئی ہفتہ گذرتا ہو جس مین کسی نہ کسی مسلمان ذات اور پیشہ کی مستقل قومیت ثابت ہو جانے کے لیے میرے پاس سوالات نہ آتے ہون، بھوپال سے پوچھا گیا کہ سبزی فروشون کی قومیت اور اس قوم کے نسب کا ماخذ کیا ہے؟ آگرہ سے سوال آیا ہے کہ قصائیون کی قومی اصلیت کیا ہے، کیا یہ قریشی مورث اعلیٰ قصیؓ کی نسل ہین، اور پنجاب کی ذاتون اور قومیتون کی تفصیلات کا کیا ذکر ہے؟

اتنی تفرقون اور پراگندگیون کے بعد مسلمانون مین حنفی و وہابی کی مردہ بحث پھر زندہ ہو گئی ہے،

جس نے ہماری تمام پچھلی کوششون اور محنتون پر پانی پھیر دیا ہے، اور ملک کے اس سرے سے اوس سرے تک ذرون کی طرح مسلمان اوڑ رہے ہین، حالانکہ وہ لوگ جو ملک کی عام اسلامی تحریک کے ساتھ نہین، اون کے سامنے اگر **جزیرۃ العرب** کا سوال نہین تو کیا شدھی اور سنگھٹن کی د... مخالفانہ تحریکین بھی نہین ہین، جو اس ملک مین مسلمانون کو مقابلہ کا چیلنج دے رہی ہین، اور مسلمانون کی متحدہ محاذ جنگ کا مطالبہ کر رہی ہین، غرض اس وقت مسلمانون کے سامنے اندرونی اور بیرونی ایسے خطرات درپیش ہین جن سے مسلمان اوس وقت تک عہدہ برآ نہین ہو سکتے، جب تک اونکی عالمگیر تنظیم و اتحاد اور اس کے تحت مین، ملکی اسلامی تنظیم و اتحاد کی صورت نہ پیدا ہو، عالمگیر تنظیم و اتحاد کا نام **خلافت** ہے، اور ملک کے اندر اسلامی تنظیم و اتحاد کا آپ جو چاہیے نام رکھ لیجئے، لیکن خود تنظیم کیا چیز ہے؟،

---





# ایک خطبۂ علمیہ

## ابو العلاء معری، کے متعلق مستشرقینِ یورپ کی غلطیان

ہمارے ہان قدما کے درس کا عام طریقہ یہ تھا کہ مدرس خود مسئلہ پر زبانی تقریر کرتا تھا، طلبہ سنتے تھے، اور یادداشت لکھتے جاتے تھے، اس طریقۂ درس کا نام املا تھا، آج کل یورپ کا طرز بھی یہی ہے، اور عموماً ہندوستانی کالجون مین بھی اسی کی تقلید ہوتی ہے، اس طریقہ کا فائدہ یہ ہے کہ کم سے کم وقت مین الفاظ اور کسی خاص کتاب کی پابندی کے بغیر نفس مسئلہ حاضرین کے سامنے آجاتا ہے، طلبہ کا ذہن، عبارت، الفاظ اور ضمیرون کی الجھن مین نہین پڑ جاتا،

ہم نے یہ چاہا ہے کہ دار العلوم ندوہ کے جدید نصاب مین اس طریقۂ درس کو دوبارہ زندہ کرین ہم نے اپنے چند لائق دوستون کو اس سلسلہ کے آغاز کے لیے خطوط لکھے تو سب سے پہلے ہمارے فاضل دوست مولانا میمن عبد العزیز صاحب راجکوٹی، ادیب اورینٹل کالج لاہور نے اس کے لیے سب سے پہلے آمادگی ظاہر کی اور ۱۸ / جون ۲۵ء کو لکھنؤ آکر انھون نے ہمارے عزیز طلبہ کے سامنے دو دن دو دو گھنٹے عنوان بالا پر املا کیا، اثنائے سخن اور آغاز کلام مین انھون نے طلبہ کو یورپ کے اس علمی جدوجہد سے مطلع کیا جو وہ ہمارے علوم و فنون کی حفاظت اور اشاعت مین کر رہا ہے، اس کے ساتھ عربی خوان طلبہ کو غیرت دلائی کہ وہ بلند ہمتی کے ساتھ ان خدمات کے ادا کرنے کے لیے

کیون اپنے کو آمادہ نہین کرتے ،

خطیب ممدوح عربی ادب و تاریخ مین ید طولی رکھتے ہین، اور اسی کے ساتھ قلمی کتابون، یورپین مطبوعات اور علمائے یورپ کی کوششون سے پوری طرح آگاہ ہین، اس لیے اس مضمون مین وہ پوری کامیابی حاصل کر سکے ہین ،

مشرق کے قدیم تخیل اصحاب تو مغرب کے کمال کے یکسر منکر ہین، لیکن جدید تعلیم یافتہ اشخاص اس کی ہر بات کو وحی آسمانی اور اس کے ہر مصنف کو معصوم یقین کرتے ہین، یہ افراط اور تفریط ہے پہلا جہل مطلق ہے، تو دوسری مرعوبیت، اور دماغی غلامی! خطیب نے اسی لیے، خطبہ کا عنوان «ابو العلا معری کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیان" مقرر کیا، تاکہ علمائے یورپ کے محاسن اور نقائص دونون ہمارے طلبہ کے سامنے آجائین ،

خدا کا شکر ہے کہ ایک طرف ہمارے عزیز طلبہ اور فاضل مدرسین نے خطیب کے فضل و کمال کا اعتراف کیا، دوسری طرف ہمارے دوست نے ہمارے طلبہ اور اساتذہ کے علمی ذوق و شوق جدید معلومات کی تحصیل و طلب اور ان کے حسنِ مذاقِ اور ذوق سلیم کی پوری داد دی، اور تسلیم کیا کہ یہ خصوصیتین کسی اور عربی مدرسہ مین انھون نے نہین پائین ،

ذیل مین اس حصہ کے تحریر شدہ حصہ کو ہم شایع کرتے ہین، اور عربی خوان طلبہ کو اسکو دقت نگاہ کے ساتھ پڑھنے کی دعوت دیتے ہین ،

"سید سلیمان ندوی"

خطیب نے تمہید و شکریہ کے بعد کہا :-

اندلس کی کسی تاریخ مین کبھی کسی اندلسی فاضل کی شان مین متنبی کا یہ شعر نظر سے گذرا تھا .

کبرتُ[1] حول بیوتھم لما بدت منھا الشموس ولیس فیھا المشرق

(حاشیہ صفحہ آئندہ)



بات بھی یہی ہے اور اس بیت مین ایک ذرہ برابر مبالغہ نہین کہ اہل اندلس ہر فضیلت کے بجا طور پر سزاوار ہین، مادرِ دہر نے ہر چند لیل و نہار کے ہزار ہا سیاہ و سفید ورق الٹ ڈالے مگر کبھی ایسی دار فتہ علم و قوم کو پھر اس جہان مین نہ لا سکی اور نہ بظاہر توقع ہے کہ آئندہ لائے ،

سو اس وقت آفتابِ علم کا بلادِ مغرب سے طلوع ہونا کوئی اچنبھے کی چیز نہ تھی، مگر افسوس کہ پھر وہ حالت نہ رہی اور وہ آفتاب پھر اپنے پرانے رخ یعنی مشرق سے نکلنے لگا، مگر اب ہمارے کانون مین کوئی سوال سے وہی بھنبھناہٹ محسوس ہو رہی ہے جسکا باعث بجز اس افسوسناک امر کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم نااہل اخلاف نے اون فاضل اسلاف کی پیروی ترک کر دی اور ہمارا علمی ترکہ اغیار نے اڑا لیا اور جس طرح ہم ملک سے تہی دست ہو گئے تھے اسی طرح علم و فضل سے بھی عاری ہونے لگے، اجانب بیدار تھے، اونھون نے اس یوسفِ گم گشتہ کی پوری پوری تربیت و نگہداشت کی حتی کہ اونکی علمی خدمات کی صدائین اپنی مسلسل گونج سے ہمارے کانون کے پردے پھاڑنے لگین، مگر واہ رے ہماری غفلت! کہ ہمین اس گہری نیند سے نہ جاگنا تھا اور نہ جاگے، کاہلی، تن آسانی اور سہل انگاری ہماری ممتاز خصوصیتین ہو گئین اور دنیا ہمین طعنہ دینے لگی کہ یہ ہین انھین نامور اسلاف کے ناکارہ اخلاف حیف صد حیف !

ادھر یورپ نے نہ صرف اپنے بلکہ ہمارے مخصوص علوم و فنون کی وہ وہ بے لوث اور سرگرم علمی خدمتین کین جو ان کے لیے ہمیشہ جلی حروف مین تمغائے امتیاز، اور ہمارے لیے ننگ و عار کا ایک لازوال داغ بنی رہینگی، جس کے مٹنے کی اگر لیل و نہار یہی رہے تو کوئی قریبی توقع رکھنا سعی لاحاصل ہے، انھون نے شرق و غرب کے ہزار ہا عمومی اور خصوصی کتب خانے الٹ ڈالے اور ہماری نادرہ روزگار کتابون کا ایک ایک کر کے کھوج نکالا، پھر ان کا متعدد نسخون سے مقابلہ کیا، ان کو ذیلی حواشی اور ملاحظات سے

[1] حاشیہ صفحہ ماقبل) مین نے ان کے گھرون کے پاس کھڑے ہو کر تعجب سے اللہ اکبر! کہا جبکہ ان مین سے سورج طلوع ہوا حالانکہ وہ کوئی مشرق مین نہ تھے بلکہ مغرب مین تھے .

اوراستر کیا یعنی کہ ہمسے ہماری زبان مین ہمکلام ہوئے اور ادھر اپنے ابنائے وطن کے لیے اپنی زبانون مین ترجمے کئے ،

اوراس طرح اجانب واقارب ہر دو کے دلون مین اپنی سبقت کی مہر ثبت کردی اور دونون کی گردنین لپنے احسان کے سامنے خم کردین اور ہر مخالف وموافق کی زبان سے خراج تحسین وآفرین وصول [illegible] مین گویا یورپ کی قصیدہ خوانی پر اتر آیا اور اپنی انتہائی پستی کا ماتم کرنے پر ، اسلیے اب ان باتو[ن] کو یہین چھوڑکر اصل مطلب کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہون ، یعنی کہ اہل یورپنے ہر چند کہ ہماری زبانون کی بیش بہا خدمتین کی ہین مگر چونکہ وہ ہماری فطری اور کسبی عادات کی ترجمانی کے حقیقی اہل نہ تھے اور گویا وہ اپنی لیاقت کے بل بوتے پر اور ہماری نالائقی سے فائدہ اٹھاکر ہمارا بوجھ اپنے دوش ہمت پر لینا چاہتے تھے اور اس طرح ہمارا کام خود انھون نے سنبھالنا چاہا اس لیے بتقاضائے سنت آلہی ضروری تھا کہ حقیقی اجنبیت ومغایرت اور اکتسابی فضیلت ولیاقت خلقی خامی اور کمزوری کو ہمیشہ دبانے مین کامیاب نہ ہو ،

مگر افسوس جبکہ ہمین سرے سے اصل ہی سے کوئی سروکار نہ تھا تو ہمسے یہ امید کیسے وابستہ کیجاتی کہ ہم اصل ونقل مین تمیز کرسکین ، اسلیے ہم گم گشتگان بادیۂ حیرت کے دلون مین روز بروز یہ عقیدہ اور مستحکم ہوتا گیا کہ اجانب خدا کرسے کسی خارق فطرت اور مافوق العادت قوت کے مالک ہین جو اونھین ہر دو میدانون یعنی سیاست ولیاقت مین کامیابی سے ہمکنار کررہی ہے ، اور گویا فطرۃً ہم اون محاسن سے محروم پیدا کیے گئے ہین اس لیے بے بسی اور عاجزی ہماری ہورہی ہے اور ہم اوسکے ہوگئے ہین ، نہین نہین !

نقصان زقابل است وگرنہ علی الدوام فیض عنایتش ہمہ کس را برابر است

سچ پوچھیے تو مفتوحین ہمیشہ ایسے اخلاقی امراض کا شکار رہے ہین ، وللہ فی خلقہ اسرار ،



سونا گزیر تھا کہ ان کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرادیجائے کہ قدرت نے ہرگز ہرگز ان کے بارے مین بخل سے کام نہین لیا ، اور یہ ساری علمی پستی ان کی پست ہمتی کا کرشمہ ہے وبس !

باضعف وناتوانی ہمچون نسیم خوش باش بیماری اندرین رہ خوشتر زتندرستی

جس طرح یہ ضرورت بھی بجائے خود اہمیت مین کسی طرح کم نتھی کہ ان گمراہون کو راہ راست پر لایاجائے اور ان کے اس بت پندار کو توڑا جائے جس کا طاغوتی اثر یہانتک پہنچا ہے کہ وہ مشرق کے بے لوث اور مخلص خادمان علم کی سرفروشانہ مساعی کو بادۂ نخوت سے سرشار ہوکر شان بے نیازی سے ٹھکرادینے کے عادی ہوگئے ہین ،

اس سلسلہ کی پہلی کڑی معریات یعنی مضامین متعلقہ ابوالعلا معری ہین جنکا ایک حصہ بعنوان معری اور معارضۂ قرآن" معارف مین اسی سال شائع ہوچکا ہے ، اسکا سبب صرف یہ ہے ، کہ عاجز نے اندنون ابوالعلاء پر عربی مین ایک کتاب مسمے" ابوالعلاء وما الیہ" لکھی ہے اور چونکہ ابوالعلاء کے آزادانہ افکار وآراء اہل یورپ کو اس درجہ معمول سے زیادہ بھائے تھے کہ اونھون نے نہایت تگ ودو اور کد وکاوش کرکے اوس کے احوال واخبار مین بہت سی چھوٹی بڑی مخصوص غیر مخصوص اور بھلی بری کتابین جرمن انگلش اور فرنچ وغیرہ زبانون مین لکھ ڈالی ہین ، ضرور معلوم ہوا کہ سردست اسی مضمون کو چھیڑون جو ایک حدتک ان کے لیے مایۂ نازش اور سینچا ہوا رہا ہے اور جس مین ان سے اغلاط کے سرزد ہونے کا نسبتہً بہت تھوڑا امکان رہا تھا ، مین ابوالعلاء کے مفصل سوانح اور نقد وتبصرہ کے لیے قارئین کو اپنی مذکورہ تالیف کا حوالہ دونگا جو اگر خدا کو منظور ہوا اور حالات نے مساعدت کی تو کسی قریبی زمانہ مین نکل آئے ،

یہان میرا مطلب صرف اونھین اغلاط فاحشہ اور تناقضات قبیحہ سے ہے جو ابوالعلاء کے مغربی عشاق سے اوسکی زندگی کے سمجھنے مین سرزد ہوئے ہین ، بدقسمتی سے مین جرمن اور فرنچ کتابون سے

اصالۃً کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا مگر چونکہ اہل یورپ نے اس سلسلہ مین ایک دوسرے کی ترجمانی پر ہی قناعت کی ہے، اس لیے مین فی الجملہ کہسکتا ہون کہ مجھے ان کے مضامین پر قدرے عبور ہے، اسی ترجمانی کا نتیجہ یہ اغلاط کا انبار ہے،

اسلیے مین یہان خصوصیت کیساتھ مارگولیوتھ اور نکلسن صاحبان کے مشترک اور مخصوص اغلاط ہی سے بحث کرون گا، اور ناظرین اپنے طور پر یہ یقین کرلین کہ پورا یورپ کم وبیش انہین اغلاط مین مبتلا ہے،

مارگولیوتھ نے رسائل معری مطبوعۂ آکسفورڈ ۱۸۹۸ء کے شروع مین ایک زبردست پرمغز اور پرمواد مقدمہ نہایت متین لہجہ مین لکھا ہے جسکی صداے بازگشت نکلسن کی ہسٹری آف عربک لٹریچر اور مذہبکل سائیکلوپیڈیا آف اسلام اور اسٹڈیز ان اسلامک پوئٹری ہے، مین نے چار کتابون کے لیے علی الترتیب یہ علامات وضع کی ہین (رم - آداب، ۱۰، سُر، ۱۱ انکا) مارگولیوتھ صاحب کا مقدمہ کل ۳۲ صفحات کا ہے اور نکلسن صاحب نے سوانح کے سلسلہ مین دو چار صفحون سے زیادہ کہین نہین لکھا اسلیے یقیناً یہ اغلاط ناظرین کے لیے مایۂ حیرت و استعجاب ہونگی، مین نے بہت سی معمولی اغلاط کو مطلقاً نظر انداز کر دیا ہے، مارگولیوتھ صاحب نے ترجمۂ رسائل اور تصحیح ترجمۂ معری از معجم الادبا مین اور بھی زیادہ غلطیان کی ہین مگر شاید وہ قارئین کے تضییع وقت کا باعث ہوتین، بشرط ضرورت مین ان کو بھی شائع کر سکتا ہون، جس طرح نکلسن صاحب نے افکار معری کی ترجمانی اور الغفران کے ترجمہ مین لاتعداد اغلاط کا ارتکاب کیا ہے، ایک اور صاحب بھی ہین جنہون نے انگریزی مین معری پر ایک مختصر مگر مستقل تالیف لکھی ہے جو بے شمار اغلاط سے لبریز ہے، اور چونکہ وہ عربی دانی کے خود بھی مدعی نہین ہین اس لیے گویا انھون نے نہ ہمارے التفات کو اپنی طرف کھینچا اور نہ ہمارا وقت لیا کہ جرحہا العجماء جبار،

میرا مقصد نہ اپنے پچھلے اعتراف سے مکرنا ہے اور نہ ان محبان علم کی بے غرض کوششون کی ناقدری کرنا بلکہ صرف حقائق کو اپنی اصل شکل مین پیش کرنا ہے اور ان کے بیرونی لبادون کو الٹ



دینا ہی اور بس تاکہ آئندہ جو اصحاب اس سلسلہ مین کچھ کام کرنا چاہین وہ اپنے پیشرو مقلدین کی طرح پھر ان اغلاط کا شکار نہ ہون اور ان کے مخلص کی یہ کوشش ان کے لیے کار آمد مواد فراہم کرے اور سابق الذکر سلسلہ کی ایک کڑی ہو جس پر جہانتک مجھے علم ہے بہت کم لکھا گیا ہے تاکہ پھر اس طرح ہماری مردہ غیرت و حمیت گدگدیان لینے لگے اور ہم کسی مفید خدمت کے لیے اٹھ کھڑے ہون، مضمون کی خشکی پر مین محترم قارئین سے طالبِ عفو ہون اور ملتجی ہون کہ خدارا وہ علمی ترقی کے راہ مین اسکو کوئی بڑی رکاوٹ نہ بنالین ورنہ پھر علوم کی قسمت معلوم!

## مارگولیوتھ کے غلطا،

اغلاط مختلف قسم کی ہین اسلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو متعدد سرخیون کے ذیل مین ذکر کیا جائے،

### علمی کم مائگی،

(۱) رسائل[1] کے اس جملہ "وانصفت وماء وجہی فی سقاء غیر سرب ما اراق منہ قطرۃ فی طلب ادب ولا مال، ومنذ فارقت العشرین من العمر ما حدثت نفسی باجتداء علم من عراق ولا شام،" سے آپ یہ مطلب اخذ کرتے ہین[2] "اپنے ایک مکتوب الیہ کو لکھتا ہے کہ اوسے اپنی عمر کے بیسوین سال سے کسی عراقی یا شامی سے نہ مال کی ضرورت ہوئی اور نہ علم کی"؛

ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ ابو العلاء کے دونون جملون کو بری طرح گڈمڈ کر دینے کا نتیجہ ہے ورنہ ابو العلاء نے بیس سال کی عمر سے پہلے بھی کسی سے مالی امداد نہ طلب کی تھی، صحیح ترجمہ یون چاہیئے، "اور جب سے مین نے بیسوان سال چھوڑا کبھی میرے جی مین یہ خیال نہ آیا کہ کسی عراقی یا شامی سے طلب علم کرون"،

(۲) کتاب الایک والغصون کی بابت جو ابو العلاء کی سب سے بڑی تصنیف ہے، ذہبی اور ابن خلکان کی بحوالہ ایک شاہد عینی یہ روایت ہے "وقد ذکر بعض الفضلاء انہ وقف علی المجلد الاول

[1] ص ۳۲، [2] م ص ۱۵،

منه بعد المائة قال ولا اعلم ما يوجد بعد ذالك یعنی مجھ سے ایک فاضل نے کہا کہ اُس نے کتاب الاَیک کی ایکسو ایکوین جلد دیکھی ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے نہین معلوم کہ اس مین اور کتنی جلدون کی کمی تھی، مگر مارگولیوتھ[1] اسکا ترجمہ یون کرتے ہین کہ وہ ۱۰۱ جلدون کی کتاب تھی جس نے اور تمام کتابون کو ناکارہ ثابت کردیا، ان کے ترجمہ کے دونون جزو غلط ہین کہ فحوائے عبارت کا اقتضایہ ہے، کہ ممکن ہے اوسکی ہنوز اور کچھ جلدین رہتی ہون مگر مجھے علم نہین، اعواز کے معنی ناکارہ کرنا دنیا کی کسی لغت مین نہین،

(۴) ابن فورجہ[2] کا املا یون لکھتے ہین، (IBNFAURAJAH) حالانکہ یون ہونا چاہیئے (IBN FURAJJAH) جس طرح صاحب فوات الوفیات نے ضبط کیا ہے تتمۃ الیتیمۃ للثعالبی کے قلمی نسخہ[3] محفوظہ ببلیوتھک نیشنل پیرس مین مشکول موجود ہے، اس بات کی بعض مثالین آئندہ بھی آئنگی،

## تصحیفات شنیعہ،

بعض اوقات ناکافی تامل کی بنا پر بری طرح الفاظ مین کتر بیونت یار دوبدل کرڈالتے ہین مثلاً

(۱) سولیقۃ غالب کو جس کا ذکر آئندہ آئے گا سولیقۃ[4] ابن غالب لکھا ہے، مگر یہ غلط ہے ملاحظہ ہو معجم البلدان و ابن خلکان،

(۵) ابو الیسر شاکر کو جس کا ذکر خریدۃ القصر ادبا، اور نکمت الهمیان وغیرہ مین بارہا آیا ہے، اور جو ابو العلاء کے بھائی ابو المجد محمد کے پوتے کے پوتے ہین آپ[5] ابو النصر لکھتے ہین،

(۶) اور منتخب الدولہ کو جس کو یہ لقب الظاہر الفاطمی نے ۴۲۶ھ سے کچھ پیشتر دے کر دمشق کا گورنر بنایا تھا اور جس کا اصل نام امیر الجیوش انوشتکین الدزبری تھا آپ[6] منتخب الدولہ بالنی رکھتے ہین ملاحظہ ہو ذیل تاریخ دمشق لابن القلانسی،

[1] م ۲۹۰، [2] م ۲۶، [3] اسکا فوٹو میان لاہور مین بنفس نفیس خود دیکھا ہین [4] م ۲۲ [5] م ۴۳ [6] م ۳۱ و ۴۹

---



(۷) اغانی کے حوالہ[1] سے راوی ہین کہ ابو تمام کی سفارش پر اہل معرہ نے بحتری شاعر کا ایک ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا، حالانکہ اغانی[2] کے علاوہ وفیات[3] مین بھی چار ہزار درہم مین نہ کہ ایکہزار،

(۸) ایک جگہ لکھتے ہین[4] کہ قاضی عبد الوہاب مالکی جب بغداد سے مصر کو روانہ ہوئے الخ اور دوسری[5] جگہ کہ وہ مصر سے بغداد کو الخ حالانکہ مسافر اور سفر دونون ایک ہی ہین پھر دونون باتون کے لیے حوالہ بھی ایک ہی دیا ہے یعنی ابن خلکان ۱ و ۳۸۳ جو مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ مین ۱ و ۴ و ۳ پر واقع ہے، یہ صاف تناقض بے سوچے سمجھے لکھدینے کا نتیجہ ہے،

## بیدلیل دعوے

عموماً اہل مغرب اور ان کے مقلدین دعوون کے بڑے شیدا ہوتے ہین اور وہ اپنے استقراء غیر تام کے برتے پر فوراً دو ٹوک فیصلہ کردیتے ہین جس پر سامع اون کے وسعت معلومات پر انگشت بدندان ہوجاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ فیصلہ مین کوئی گنجائش باقی نہین چھوڑتے شاید اسی بنا پر ہماری منطق مین استخراج کو استقراء پر ترجیح دیگئی ہے، قاضی علی بن عبد العزیز الجرجانی کیا خوب کہتے ہین،

وما اعجبتنی قط دعوی عریضۃ    وان قام فی تصدیقها الف شاهد

مارگولیوتھ صاحب ہرچند کہ اپنی سنجیدگی اور وسعت اطلاع کے باعث علمائے یورپ مین سب سے بہتر ہین مگر گرد و پیش کے حالات سے صاف بچ نکلنا ان کے بس مین نہ تھا، اس لیے بعضہٗ رسدی وہ بھی دعاوی کے خوان الوان سے زلہ چین ہوئے،

(۹) کہتے ہین[6] کہ معرہ کے شعراء کے نام جو کتب تاریخ مین ملتے ہین اونکی سیاسی اہمیت کے مقابلہ مین بہت کم ہین، پھر حاشیہ پر کوئی ۵ شعراء کے نام گنائے ہین،

یہ دعوی قلت تتبع کا نتیجہ ہے حق تو یہ تھا کہ یون لکھتے کہ وہ انکی سیاسی اہمیت کی نسبت

[1] م ۱۳، [2] دوسرا ایڈیشن ۱۸ و ۱۶۹ [3] ۲ و ۱۷۵، [4] م ۲۹ [5] م ۳۴، [6] م ۱۳.

سے کہیں زیادہ ہیں، یہاں ناموں کی طول طویل فہرست پیش کرنا شاید کوئی دلچسپ مواد فراہم نہ کرتا
اس لیے قارئین کو میں اپنی عربی کتاب کا حوالہ دونگا جس میں میں نے کوئی ۵۰ شعراء کا ذکر کیا ہے
جو بنو سلیمان، بنو الدویدہ، بنو عبد اللطیف، بنو ابی الحصین، اور بنو الہبار وغیرہ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے

(۱۰) ایک جگہ مدعی ہیں کہ ابو العلاء بینائی چلے جانیکے بعد بھی چند سال تک برائے نام بصارت
سے متمتع رہا کہ پھولوں اور حروف وغیرہ کی تعریف کرنا اس امر کی دلیل ہے،

یہ دعوی پادر ہوا اور بلا دلیل ہے کہ وہ اس کے اثبات میں کوئی کتابی دستاویز نہیں پیش
کر سکتے، بلکہ خود ابو العلاء اسکی تکذیب کرتا ہے، اکثر مورخین اس سے ناقل ہیں کہ چیچک کے دنوں (جس
سے بعمر ۴ سال یہ نابینا ہوگیا تھا) مجھے چونکہ سرخ لباس پہنایا گیا تھا اسلیے میں بجز سرخ کے اور کسی
رنگ کو نہیں پہچانتا، سو ناگزیر تھا کہ اگر چیچک کے بعد کسی قسم کی بصارت باقی رہی ہوتی تو وہ اور رنگوں
کو بھی پہچان سکے، اس کے دیوان سقط الزند میں ستاروں کے وصف میں جو نونیہ قصیدہ ہے وہ
شاید مارگولیوتھ صاحب کی نظر سے نہیں گذرا جو آنکھ والوں کے بس سے بھی باہر ہے اور جس کے
برابر حیرت انگیز اشعار شاید کسی اندھے نے نہ کہے ہوں دیکھئے تنویر (۱ء ۹۲) اور نکت الهمیان

(۴۴) جاحظ نے اعشی و بشار دو اندھے شاعروں کے دو معمولی سے شعروں پر حیرت کا اظہار کیا ہے
صفدی اس واقعہ کو نقل کرکے کہتا ہے کہ اگر جاحظ کہیں ابو العلاء کے نونیہ قصیدہ کو سن پاتا تو خدا
جانے اسکی حیرت کا کیا عالم ہوتا، ظاہر ہے کہ ضعیف بصارت اس درجہ ستاروں کی تشخیص پر قادر نہیں
کرسکتی تو لازمی طور پر یہ غیر معمولی دماغی قوی کا نتیجہ ہوگا، ہلال کو نون سے تشبیہ دینا مستلزم بصارت
نہیں کہ یہ تشبیہ ابو العلاء سے پہلے کی ہے اور اندھوں کو یہ معلوم ہونا کہ نون گول ہوتا ہے، کوئی
انوکھی بات نہیں،

(۱۱) کہتے ہیں[1] کہ ابو العلاء نے بغداد پہنچکر اپنا جہاز چھڑانے کے لیے قاضی ابو الطیب الطبری کے





کہنے پر امام ابو حامد الاسفرائنی کو اپنے عینیہ قصیدہ سے مخاطب کیا،

یہ دعوی نہ کوئی ثبوت رکھتا ہے اور نہ ضرورت اسلیے کہ ابو العلاء کے لیے ابو الطیب اور ابو حامد
ہر دو فقیہ مساویانہ حیثیت رکھتے تھے، یعنی کہ دونوں سے بغداد ہی میں ملاقات ہوئی تھی اور پھر دونوں
محض فقیہ تھے ہاں اگر بالفرض کوئی ادیب ہوتا تو وجہ ترجیح پیدا ہو جاتی، پھر اس ابو الطیب کی ترغیب
کی کیا حاجت تھی ؟

(۱۲) فرماتے ہیں[1] الشریف الرضی کی علمی مجلس شاپور کی مجلس کے نمونہ پر قائم کیگئی تھی جس کا ابو العلاء
نے نثر و نظم ہر دو میں تذکرہ کیا ہے الخ

شاپور کے دار العلم کا تو بیشک ابو العلاء نے تذکرہ کیا ہے مگر رضی کی کوئی ایسی مجلس سرے
سے تھی ہی نہیں، کسی تاریخ سے اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا اور واقعہ یہ ہے کہ شاپور کے دار العلم اور
مرتضی برادر رضی کی علمی محفل کے ہوتے ہوئے نو عمر الرضی کو ایک نئی محفل قائم کرنے کی کوئی خاص ضرورت
بھی نہ تھی، ہاں یہ یاد رہے کہ شاپور رضی کے خسر تھے، اور رضی کے بڑے بھائی مرتضی کی مجلس میں
تو علماء کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے رہا کرتے تھے ہم نے اپنی کتاب میں انکی مجلس کے چند دلچسپ واقعات قلمبند
کئے ہیں، پھر ابو العلاء کا اس میں حصہ لینا بہت سی معتبر کتابوں سے ثابت ہوچکا ہے مگر رضی کی مجلس
کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ ابو العلاء کا اس سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے، بہت ممکن ہے کہ ناسخ
سے مرتضی کی جگہ رضی کا نام لکھ ڈالا ہو، جس طرح ابن تغری بردی بھی ان سے پیشتر اسی اشتباہ میں
گرفتار ہوچکا ہے،

(۱۳) کہتے ہیں[2] کہ ابو العلاء کے بغدادی دوست ابو احمد عبد السلام نحو و جغرافیہ میں شہرۂ آفاق تھے،
اور حاشیہ پر معجم البلدان کی فہرست کا حوالہ دیتے ہیں،

[1] م ۴۰۔ پھر نکلسن کو بھی اسی غلطی میں آداب ص۳۱۳ میں گرفتار پایا، [2] م ۲۲۴،

مین نے نسبتہً ہر سوانح نگار سے بدرجہا زیادہ عبدالسلام کے اخبار جمع کئے ہین مگر افسوس کہ مجھے اسکی جغرافی شہرت کا کہین پتہ نہ چلا، شاید معجم البلدان کی فہرست مین عبدالسلام کا نام آنا ہی حضرت کے وہم کا باعث بنا ہے، مگر یہ تو فرمائین کہ اس مین رسول اللہ صلعم عیسےٰ، موسیٰ، امرؤالقیس اور اعشیٰ وغیرہ کا بھی تو ذکر ہے، کیا یہ بھی جغرافیہ مین شہرۂ آفاق تھے؟ معجم البلدان تو اولاً ادب و تاریخ و انساب کی کتاب ہے اور ثانیاً جغرافیہ کی، ہان اگر بجائے جغرافیہ لغتہ و ادب و شعر و تفسیر کا نام لیا جائے تو قرین صواب ہو، صاحب ذکری (ص۱۶۰) نے بھی مارگولیوتھ کی کورانہ تقلید کی ہے اوس کے الفاظ یہ ہین "صاحب الصوت البعید فی علم تقویم البلدان"۔ دیکھئے ایک نے رائی کے برابر غلطی کی تھی جسکو دوسرے نے پہاڑ کے برابر بنا دیا، یہ ہین علمی تقلید کے قبیح نتائج،

(۱۴) کہتے ہین[۱] کہ بغداد سے واپس ہوتے ہوئے ابوالعلاء موصل تک تو کشتی مین آیا اور پھر سانڈنی پر سوار ہوا، یہ دعویٰ بلادلیل ہونے کے علاوہ خود ابوالعلا کی شہادت کے خلاف ہے کہ وہ رخصت ہوتے ہوئے اہل بغداد کو اس طرح مخاطب کرتا ہے،

| | |
|---|---|
| اذا ما نسیع قلت واللوم کاربی | اجدکم لم تفہموا طرب النسع |
| وانی لناس ماء دجلۃ نغبۃ | علی الخمس من بعد المفاوز والربع |

نسع یعنی تنگ سانڈنیون کے ہوتے ہین اور مفاوز یعنی مہیب بیابانون سے کشتی کو کیا سروکار؟ اور پھر اغلب یہی ہے کہ ابوالعلاء کو اپنی کشتی ہنوز واپس ہی نہ ملی تھی پھر اس مین سفر کیونکر کرتا؟ اچھا چلیے یون ہی سہی مگر موصل مین اپنی کشتی کو کس کے پاس چھوڑتا اور کیون، رسائل[۲] کے لفظ "وسرت عن بغداد . . . . .

[۱] لم م ۹۰، [۲] جب راہ مین کوئی تسمہ چرچرانے لگتا ہو تو مین یون کہتا بجائیکہ ملامت گلوگیر ہوتی ہائے تم تسمہ کے اشتیاق کو نہین سمجھے، ۱۱ وہ دشت بیابانون کے بعد جب کہ جانورون کو پانی پیئے ہوئے چار چار پانچ پانچ دن گذر چکے تھے ہمین آب دجلہ کا جرعہ کیونکر نصیب ہوتا، [۳] ص ۴۲،



سیرا تخط ابلہ وتنظ نسوعہ دتوقع الغرق سفنۃ الخ کسی یقینی نتیجہ تک نہین پہنچاتے،

(۱۵) کہتے ہین[۱] کہ پچھلے محققین بظاہر ابوالعلاء کی قبر کا کوئی سراغ نہین لگا سکے حالانکہ اسکی قبر کا مقام معرہ مین بالکل مشہور و معروف ہے، ایک شاہد عینی جس نے ۱۹۰۵ء مین معرہ کی سیاحت کی تھی کہتا ہے کہ اسکی قبر شہر کے ایک گوشہ مین محل تکریم و تعظیم بنی ہوئی ہے اور کوفی خط مین اس پر ایک کتبہ کندہ ہے، اور اس کے قرب و جوار مین اس کے ایک شاگرد کا مزار ہے اور دونون کے مقابل ایک گنبد مین شیخ محمد عباسی کی تربت ہے، ہمارے ایک دوست نے لکھا ہے کہ مصر کے جریدہ العمران مین چھپا تھا کہ معرہ کے رئیس نورس پاشا نے اس کے مزار کی اصلاح کرائی اور وہان بچون کے لیے ایک مکتب کھول دیا ہے،

## ناکافی تأمل اور سہل انگاری کے نتائج

گاہ گاہ ناکافی تأمل اور فقدان غور رسی کی بنا پر بعض عجیب و غریب اوہام کا شکار ہو گئے ہین مثلاً

(۱۶) کہتے ہین[۲] اس کے رسائل وغیرہ مین کہین اس کے دونون بھائی ابوالہیثم اور (ابوالمجد) محمد کا کوئی سراغ نہین ملتا،

ہان ابوالہیثم کا اسکی اپنی تالیفات مین بیشک کہین کوئی ذکر نہین، مگر محمد کا ذکر تو موجود ہے، دیکھیے رسائل ص۱۱۲ پر اوس کو وہ ان لفظون مین یاد کرتا ہے، "واما سیدی ابوالمجد فشغلہ من تلۃ الفائدۃ یکاد یمنع نومہ الخ" یعنی برادر محترم ابوالمجد تو شب و روز دوسرون کی کاربرآری مین منہمک رہتے ہین، تعجب ہے کہ خود رسائل ہی کا طابع و ناشر و مترجم یہ کہے کہ اوسکا کہین ذکر نہین، اس غفلت کے باعث بظاہر دو ہین (۱) مارگولیوتھ کو یہ معلوم ہی نہین کہ محمد مذکور کی کنیت ابوالمجد ہے حالانکہ ادباء اور خریدہ وغیرہ مین بہ تصریح مذکور ہے، (ب) انھون نے ابوالمجد[۳] سے کسی مستملی (کاتب) کو مراد لیا ہے احتمالاً، مگر یہ احتمال باطل ہے اس لیے کہ مامون کے خط مین مستملی کا ذکر بے محل ہے، اور پھر اوسکو بلفظ سیدی یعنی میرے آقا یاد کرنا اور بھی ناموزون، اور یہ دونون باتین ابوالمجد محمد پر خوب چسپان ہین اس لئے کہ وہ

[۱] م ۹۰، [۲] م ۹۳، [۳] م ۹۴،

بڑے بھائی تھے اور ساتوین صدی ہجری تک اون کے سلسلۂ نسب کی بقا کا ثبوت بذریعۂ شجرہ ہمنے اپنی کتاب مین پیش کیا ہے

(۱۷) کہتے ہین کہ بغداد مین المغربی اور ابو القاسم بن جلبات سے اوس کے تعلقات نے اندرونی دائرہ مین اوس کے داخلہ کی راہ کو صاف کر دیا،

باوجود کاوش ہمین کہین نہ معلوم ہوا کہ ابن جلبات ہنوز بقید حیات ہون، ان کا پتہ بجز مسقط کے بیمیۃ کے اور کہین سے نہین چلتا۔ یتیمۃ الدہر مین مذکور ہے کہ وہ شاپور کی مجلس کا شاعر تھا اور یتیمہ کہتا ہے کہ عضد الدولہ نے بغداد مین اوسکو ایک نہایت جلیل القدر منصب پر فائز کیا تھا، عضد الدولہ کی وفات کے بعد وہ اس منصب سے معزول کئے گئے جس کا نتیجہ بظاہر یہ ہو سکتا ہے کہ وہ (معرہ) خانہ نشین ہو گئے ہون

المغربی کے متعلق مارگولیوتھ نے بہت کچھ غلطیان کی ہین، ان کو ہنوز یہی معلوم نہین کہ یہان دو المغربی ہین، ایک تو باپ یعنی ابو الحسن علی اور دوسرا فرزند یعنی ابو القاسم الحسین جو ابو العلاء کا گہرا دوست اور اس کی فضیلت کا معترف ہے، ابو القاسم الحسین اس وقت تک سرے سے بغداد پہنچا ہی نہ تھا، پھر اوس کے اہل بغداد سے تعلقات کے کیا معنی؟ ابو القاسم شام مین پیدا ہوا اور پھر عنفوان شباب مین اپنے باپ کے ہمراہ مصر چلا گیا جہان شباب کے بقیہ ایام گذارے پھر جب الحاکم العلوی نے اوسکے باپ کو ۴۰۰ھ مین قتل کر دیا تو یہ بھاگ کر حسان بن مفرج صاحب رملہ کے ہان پہنچا، اور چند سال حاکم کے خلاف مصروف سازش رہا پھر کہین ۴۱۰ھ کے چند سال بعد بغداد کے اطراف مین پہنچا جس طرح بلا اختلاف تمام عربی تاریخین شاہد ہین مثلاً ابن القلانسی اور ابن الاثیر وغیرہ،

(۱۸) کہتے ہین کہ المغربی نے جبکہ مصری لشکر حلب کا محاصرہ کئے ہوئے تھا تمام اہل معرہ کو اپنے ایکسیلی خطاب کیا جسکا اثر یہ ہوا کہ تمام اہل معرہ مصریون کیساتھ ملگئے پھر جب ابن حلبی والا ہو ابو العلاء کو مصری یقین بچاتے ہوئے اس غلطی کے کھوسنے کا محل کوئی اور موقع تھا مگر تسلسل مبحث کے لیے ہمنے یہین ذکر کیا، یہ قول چند اوہام کا مجموعہ ہے (۱) دونون مغربیون مین کوئی تمیز نہین رکھی کہ مبتلائے گریز کی دسیاسیات ابو الحسن

لے م ۲۵، ۳۵ ترجمہ رسائل ۲- بعد کو دیکھا کہ یہ دعوی نکلسن نے بھی دائرۂ ۵۰۰ مین کیا ہے،



تھا اور خط لکھنے والا ابو القاسم جو باعث صغر سن کسی طرح سیاسیات مین حصہ لینے کا اہل نہ تھا ملاحظہ ہو معری کا وہ وفیات الاعیان وغیرہ مین اس کا حال (ب) ابو القاسم نے یہ رسالہ مصر سے بھیجا تھا نہ کہ حلب سے ملاحظہ ہو معری کا وہ جوابی رسالہ جس کا نام رسالۃ المنیح ہے ص۵ وان ضرب اس داق البقیۃ بعی

(ج) یہ غلط ہے کہ اہل معرہ حمدانیون کو چھوڑ کر مصریون کی طرف مائل ہون اس لیے کہ اسی زمانہ مین یعنی ۴۰۳ھ مین ابو العلاء نے سقط کا پہلا قصیدۂ لامیہ سعید الدولہ نبیرۂ سیف الدولہ کی مدح مین طیار کیا تھا، ملاحظہ ہو سقط کا موجودہ ببلیوتھک نیشنل پیرس، نیز ابو العلاء نے مصریون سے نفرت ظاہر کرنے کے لیے بیسیون اشعار کہے ہین جو ہمنے اپنی کتاب مین دیئے ہین منجملہ ان کے دو شعر یہ ہین،

| | |
|---|---|
| یقولون فی المصر العدول وانما | حقیقۃ ما قالوا العدول عن الحق |
| ولست بمختار لقومی کونہم | قضاۃ ولا وضع الشہادۃ فی رتق |

نیز ابو العلاء حمدانیون کی طرف اپنے میلان کو بدین الفاظ ظاہر کرتا ہے،

| | |
|---|---|
| لا تامنن فوارسا من عامر | الا بذمۃ فارس من وائل |

تبریزی کہتے ہین کہ ملوک حلب وغیرہ آل وائل سے ہین اور ملوک عراق اور الجزیرہ آل عامر بن صعصعہ سے تو گویا وہ عامر سے سخایت ظاہر کرتا ہے اور وائل کا شکریہ، پھر اس مین اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وائل کا ایک سوار عامر کے چند سوارون کے برابر ہے الخ (د) ابو العلاء کے رسالۃ المنیح کو سیاسیات سے کوئی سروکار نہین جسطرح ہمنے اس کے مضمون سے اپنی کتاب مین بالتفصیل بحث کی ہے لطیفہ ڈاکٹر طٰہ مصری نے اس موقع پر مارگولیوتھ کے رد کرنے کی بڑی کوشش کی ہے مگر آنجناب والد کا نام ابو الحسن الحسین بن علی المغربی بتاتے ہین جو باپ اور بیٹے کے نام کا مجموعہ ہے، (دیکھو ذکری ص ۱۵۹)

لے کہتے ہین مصر مین ثقہ لوگ ہین، سچ پوچھو تو باطل پرست ہین، بھائی مین تو اپنی قوم کیلئے کبھی یہ بات پسند نہ کرونگا کہ وہ قضا کا منصب سنبھالین یا وہ شاہدون پر شہادتین دیتے پھرین الخ سقط ۱ / ۷۰ تو عامر کے سوارون سے کبھی مطمئن نہو جائین جبتک کسی وائلی سوار کی حفاظت نہ ہو،

# صاعد اندلسی

از

قاضی احمد میان اختر، جوناگڑھی

اندلس کے اسلامی عہد مین جو قابل ترین علمار گزرے ہین ان مین قاضی صاعد کا نام نامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ ایسے جید عالم فاضل، فلسفی اور سائنٹسٹ کے حالات سے مؤرخین نے بالکل اعتنا نہین کیا، سوائے ابن بشکوال کے کہ جس نے صرف چار سطرون مین اس یگانۂ روزگار فاضلِ اجل کے حالات لکھدینا کافی سمجھا، سیر واخبار کی کتابون مین اکثر صاعد کا نام حوالہ کے طور پر آتا ہے لیکن انکی زندگی کے متعلق کچھ بھی معلومات حاصل نہین ہوتین، اسلئے ان کے حالات کا پتہ لگانا ہمارے لیے بہت دشوار ہوگیا ہے، اس وقت ہمارے پاس انکی ایک زبردست علمی یادگار کتاب طبقات الامم[1] کی صورت مین موجود ہے، جو خوش قسمتی سے قلمی نسخون پر سے پہلے بیروت اور پھر مصر مین شائع ہو چکی ہے[2]، اور اپنے مصنف کی زندگی کے بعض پہلوؤن پر روشنی ڈالتی ہے، اسکی مدد سے ذیل مین ہم ان کے مختصر حالات قلمبند کرتے ہین،

نام، نسب، ولادت — صاعد نام، باپ کا نام احمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن صاعد، کنیت ابوالقاسم، نسب کے لحاظ سے وہ عربی النسل اور خاندان بنو تغلب سے ہین، اصل وطن آبائی قرطبہ، مریہ مین سنہ ۴۲۰ھ (۱۰۲۹ء) مین پیدا ہوئے[3]

[1] اس کتاب کو ہمنے اردو کا لباس پہنایا ہے جو عنقریب سلسلۂ دار المصنفین مین شائع ہوگی، اختر

[2] اس کتاب کو بیروت کے ایک عیسائی پروفیسر لوئیس شیخو نے ایک قلمی نسخہ پر سے، جو اس کو دمشق سے دستیاب ہوا تھا، پہلے اپنے عربی رسالہ المشرق ۱۹۱۱ء مین اور بعد ازان ۱۹۱۲ء مین برٹش میوزیم کے دو قلمی نسخون سے تصحیح کرکے [illegible] شائع کی، چند سال ہوئے بیروتی اڈیشن پر سے ایک اور اڈیشن مصر مین چھپا ہے جو اول الذکر کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے،

[3] کتاب الصلة لابن بشکوال ص ۲۲۳ طبع مجریط، صفدی (نکت الہمیان صفحہ ۲۰۲) نے ابن سیدہ کے ترجمہ مین صاعد کا حوالہ دیا ہے، ان کو صاعد الجیانی لکھا ہے، جیان قرطبہ کا کوئی قصبہ ہے، اور غالباً اسی مناسبت سے ان کو قرطبی کہا جاتا ہے،



تحصیل علوم — معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے تمام علوم متداولہ، حدیث، فقہ، ادب، تاریخ، فلسفہ، طب، ریاضیات، ہیئت ونجوم وغیرہ کی تحصیل کی تھی، اور ان علوم مین کافی مہارت اور دستگاہ بہم پہنچائی تھی، امام ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ)، فتح بن قاسم اور ابوالولید الوقشی[1] ایسے اندلسی فضلائے عصر سے فن حدیث مین استفادہ کیا[2]، اور ان سے حدیث روایت کی، نہایت ذکی الطبع، وسیع المعلومات اور صاحب روایت ودرایت تھے[3]، فن نجوم مین خود صاعد کا بیان ہے کہ انھون نے اندلس کے ایک عالم ریاضیات ابوجعفر احمد بن خمیس الطلیطلی سے بہت کچھ اخذ کیا ہے[4]، علوم نظری وعملی مین انکی وسعت معلومات اور تبحر علمی کی مثالین طبقات مین بکثرت نظر آتی ہین،

[1] ان کی نسبت صاعد طبقات مین لکھتے ہین:-

"علوم وفنون کا ماہر، علم فقہ وآثار، علم کلام، وغیرہ مین دخل رکھنے والا، شاعر بلیغ، علم الانساب، ہندسہ ومنطق کا محقق عالم، نحو ولغت، شعر وخطابت، تاریخ وسیر مین کوئی اس پر فضیلت نہین رکھتا، ہر علم مین کچھ نہ کچھ دخل رکھتا ہے، مین ۴۳۸ھ مین طلیطلہ مین اس سے ملا تھا الخ (ص ۷۴)"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸ برس کی عمر مین ان سے ملے جو غالباً ان کا طالب علمی کا زمانہ تھا، طبقات کے ایک قلمی نسخہ مین عبارت ذیل موجود ہے جو مطبوعہ نسخہ مین نہین ہے:

وکان مدة طویلا فی الاخذ علیه والتعلم منه فلقیت منه بحر علم ومعدن نزاهة وطرف جامع المكارم الاخلاق مشتملة على غرائب الفضائل، وهو حي فی وقتنا هذا قد ربی على الخمسين اخبرنی انه ولد سنة ثمانی واربعمائة (طبقات الامم ص ۱۲۶، روایت ...)

مین نے مدت مدید تک ان کی خدمت مین رہ کر تحصیل علوم کی اور ان سے تعلیم پائی، تو مین نے ان کو علم کا ایک بحر ذخار، معدن شرافت ونجابت اور مکارم اخلاق مین عجیب وغریب فضائل سے متصف پایا، وہ اس وقت ہمارے زمانہ مین بقید حیات موجود ہین، انکی عمر ۵۰ سے تجاوز کرگئی ہے، انھون نے مجھ کو بتلایا کہ ...

[2] ان تینون بزرگون مین سے ابن حزم اور ابن الوقشی کا تذکرہ صاعد نے طبقات مین لکھا ہے، فتح بن قاسم کے حالات مجھے معلوم نہین ہوئے، امام ابن حزم کے حالات جو صاعد نے لکھے ہین وہ ذاتی واقفیت پر مبنی ہین، اسلئے قفطی، ابن خلکان، ابن ابی اصیبعہ، ذہبی (تذکرۃ الحفاظ) مراکشی (المعجب) مقری نے صاعد کے حوالہ سے نقل کیا ہے،

[3] ابن بشکوال، [4] ابن خمیس کی تعریف صاعد کی زبانی یہ ہے:-

"ہندسہ، نجوم اور طب کا عالم، علوم اللسان مین دخل رکھتا تھا، فن شعر مین اچھی مہارت تھی، علم الاعداد، ہندسہ، فرائض وغیرہ مین دستگاہ رکھتا تھا، ایک زمانہ دراز تک طلیطلہ مین درس دیتا رہا، ہیئت ونجوم مین اس کو اچھی واقفیت تھی، مین نے اس فن مین بہت کچھ اس سے اخذ کیا، (ص ۸۴)"

**عہدۂ قضاۃ** فضیلت علمی کے ساتھ ہی صاعد کو خوش قسمتی سے عزت دنیوی بھی حاصل تھی، امیر المامون یحییٰ بن الظافر والیِ طلیطلہ نے، جو علم دوست اور اہل علم کا سرپرست تھا، ان کو طلیطلہ کے عہدۂ قضاۃ پر مامور کیا تھا، ابن بشکوال نے لکھا ہے کہ وہ اپنے معاملات مین آزاد تھے، اور حقوق کے مقدمات مین صرف ایک شاہد کی شہادت قبول کر لیتے تھے، اور دوسرا شاہد اسکی سوگند کو ٹھہراتے، اور شہادت خط پر فیصلہ دیتے تھے،

**اہل علم کے تعلقات** اندلس کے مشاہیر علما، سے صاعد کے گہرے علمی تعلقات رہے ہین، طبقات مین انھون نے بعض بعض مقامات پر اپنے ان تعلقات علمی کو ظاہر کیا ہے،

ابو مروان عبید اللہ بن خلف الاستجی نے، جو علم نجوم و احکام نجوم کا محقق عالم اور اپنے زمانے کا بے مثل ماہر فن تھا، اصول علم نجوم پر ایک محققانہ رسالہ لکھا تو اسکی ایک نقل، اپنے ہاتھ سے لکھکر صاعد کو بھیجی، چنانچہ لکھتے ہین:-

| | |
|---|---|
| ولہ فی التسییرات ومطارح الشعاعات | تسییرات کواکب (سیارون کی چالون) اور شعاعون |
| وتعلیل بعض اصول الصناعۃ رسالۃ | کے مواضع سقوط (کا معائنہ کرنے) اور فن نجوم کے بعض |
| فاضلۃ لم یتقدمہ احد الیہا کتب | اصول کی توجیہ پر اسکا ایک محققانہ رسالہ ہے جسین کوئی شخص |
| بہا الی من مدینۃ کی نکہ[1] | اس سے پہلے سبقت نہین لیجا سکا، شہر کونکہ سے اس نے مجھے یہ رسالہ لکھکر بھیجا تھا |

اسحاق بن قسطار اندلس کا ایک یہودی عالم تھا جو فلسفہ، منطق، طب وغیرہ مین اچھی مہارت رکھتا تھا، اس کے ساتھ صاعد کے دوستانہ روابط تھے، اس کے تذکرہ مین لکھتے ہین:-

| | |
|---|---|
| کان حمید المذہب جمیل الاخلاق | بہت دیندار اور با اخلاق تھا، مین اکثر اس کے پاس بیٹھا کرتا تھا، |
| جالستہ کثیرا فما رأیت یہودیا مثلہ | متانت و سنجیدگی، صداقت اور کمال مروت مین کسی یہودی |
| فی رجاحتہ وصدقہ وکمال مروتہ[2] | کو مین نے اس کے مانند نہین دیکھا، |

[1] طبقات (بیروت) ص ۸۶ [2] طبقات الامم ص ۹۰ بیروت



اس سے صاعد کی بے تعصبی اور مروت و اخلاق کا اندازہ ہو سکتا ہے، کہ باوجود مذہبی آدمی ہونیکے وہ غیر مذاہب کے اہل علم سے گہرے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے، موجودہ زمانہ مین اس کی مثال کم نظر آئے گی، اس قسم کے علمی روابط سے متعلق طبقات مین بکثرت اشارات پائے جاتے ہین مگر بخوف طوالت ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین،

**وفات** صاعد نے اسی عہدۂ قضاۃ پر بعمر ۴۲ سال شوال ۴۶۲ھ (۱۰۷۰ء) مین بمقام طلیطلہ داعی اجل کو لبیک کہا، طلیطلہ کے ایک عالم یحییٰ بن سعید بن الحدیدی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی[1]

**تبحر علمی** صاعد کے تبحر علمی اور وسعت معلومات کی زندہ مثال خود انکی کتاب طبقات الامم ہے، جس سے چند مثالین بطور نمونہ ہم یہان درج کرتے ہین تاکہ انکی وسعت نظر اور محققانہ طرز کا کچھ اندازہ ہو سکے،

**تاریخ** تاریخ مین اُن کا پایہ بہت بلند اور طرز محققانہ ہے، مورخانہ تدقیق، اور اصول روایت و درایت مین یہ البیرونی اور ابن خلدون سے کسی طرح کم رتبہ نہین ہین، افسوس ہے کہ انکی تاریخی تصنیفات دست برد زمانہ سے ناپید ہو چکی ہین ورنہ انکی تاریخی طرز تحریر کا صحیح اندازہ ہو سکتا، اقوام عالم کی تاریخ پر ان کو خاص طور پر عبور تھا، اور اس موضوع پر انھون نے ایک کتاب **جوامع اخبار الامم** لکھی تھی، طبقات مین جہان وہ اقوام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ان کے مساکن و معائش، ان کی زبان، ان کے رسوم و عوائد، اور ملل و ادیان کا بیان جس تحقیق و تدقیق، جامعیت و اختصار سے کرتے ہین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ہمارے زمانہ مین بیٹھے ہوئے، موجودہ تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر لکھ رہے ہین، علمائے تاریخ سے جہان کہین اختلاف ہوتا ہے تو وہ اس کو بھی ظاہر کر دیتے ہین، طبقات ملوک فارس کی مدت سلطنت عرب مورخین مین متنازع فیہ رہی ہے، البیرونی نے آثار الباقیہ مین اور حمزہ اصفہانی نے سنی ملوک الارض مین[2] اس سے متعلق موبدان مجوس کی مختلف روایتین نقل کی ہین، اس بارہ مین علمائے

[1] ابن بشکوال، [2] ملاحظہ ہو آثار الباقیہ ص ۱۰۳، ۱۱۱، ۱۲۱، ۱۳۱، طبع یورپ، سنی ملوک الارض ص ۲ تا ۱۱، طبع کاویانی،

مغرب کے اقوال کو البیرونی نے آثار میں غلط ٹھہرایا ہے، صاعد نے اپنی تحقیق کی بنا پر ملوک فارس کی مدت سلطنت تین ہزار ایک سو چونٹھ سال لکھی ہے جو البیرونی کی بتائی ہوئی مدت کے مطابق نہیں ہے، مؤرخین کے اس اختلاف پر صاعد نے اپنی کتاب اخبار الامم میں مفصل بحث کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

ولاهل العلم بتاريخ الامم تنازع في مدة مملكة الفرس ليس هذا موضع ذكره وقد اتينا باختلافهم في ذلك في كتابنا في جوامع اخبار الامم عن العرب والعجم واصح ما قيل في ذلك الخ[1]

مملکت فارس کی مدت سلطنت علمائے تاریخ الامم کے نزدیک مختلف فیہ ہے اور یہ اس کے ذکر کا موقع نہیں ہے، مؤرخین کے اس اختلاف کو ہم نے اپنی کتاب جوامع اخبار الامم عن العرب والعجم میں بیان کیا ہے، اس امر میں صحیح تر قول یہ ہے،

" " " " " " "

اکثر مورخین نے بطلیموس صاحب المجسطی کو ان بطالمۂ یونان میں سے خیال کیا ہے جو سکندر اعظم کے بعد حکمران ہوئے ہیں، صاعد نے خود بطلیموس کی تحریر سے اس قول کی تردید کر دی ہے، فرماتے ہیں:

وكثير من الناس ممن يدعي المعرفة باخبار الامم يجعله احد البطالمة اليونانيين الذين ملكوا بعد الاسكندر وذلك خطأ بين وغلط واضح لان بطليموس ذكر في كتاب المجسطي في النوع الثالث من المقالة الثالثة منه الجامعة لجميع حركات الشمس

مدعیان علم تاریخ الامم میں سے اکثر لوگ اس کو ان بطالمۂ یونان میں شمار کرتے ہیں جو اسکندر کے بعد بادشاہ ہوئے حالانکہ یہ ایک فاحش غلطی ہے، اس لیے کہ بطلیموس نے اپنی کتاب المجسطی کے مقالۂ سوم کی نوع ثالث میں جو تمام حرکات شمس اور ان کی رصد کے متعلق تمام احوال کی جامع ہے، بیان کیا ہے کہ میں نے عہد اذریانوس کے انیسویں سال میں اعتدال خریفی کا بذریعۂ رصد مشاہدہ کیا،

[1] طبقات ص ۱۱،



وارصادها وسائر احوالها انه رصد الاعتدال الخريفي في السنة التسع عشرة من سني ادريانوس فذكر انه تجمع من اول سني بخت نصر وقت هذا الاعتدال الخريفي ثمانمائة سنة وتسع وتسعون سنة وثلاثون يوما وست ساعات وجزأ هذه السنين فقال انه يجتمع من اول سني بخت نصر الى موت الاسكندر يعني المقدوني جد الاسكندر ذي القرنين اربعمائة سنة واربع وعشرون سنة مصرية ومن موت الاسكندر الى ملك اوغسطس يعني اول ملوك الروم مائتا سنة واربع وتسعون سنة ومن اول سنة من سني ملك اوغسطس الى وقت الرصد الخريفي المذكور مائتا سنة واحدى وستون سنة وستة وستون يوما وساعتان فنبين بطليموس بهذا التفصيل والتجميل

اور لکھا ہے کہ اس کو سنہ بخت نصر کے سال اول سے لیکر اس وقت کے اعتدال خریفی تک ۸۹۹ برس تیس دن اور ۶ گھنٹے گزرے ہیں، پھر ان سنین کو اس نے اس طرح تقسیم کیا ہے سنہ بخت نصر سے لیکر سکندر مقدونی (جو سکندر ذی القرنین کا دادا ہے) کی موت تک ۴۲۴ سال مصری (قبطی؟) اور اسکندر کی وفات سے آگسٹس روم کے پہلے بادشاہ تک ۲۹۴ سال ہوتے ہیں، اور آگسٹس کے سال اول سے اعتدال خریفی مذکور کی رصد تک ۲۶۱ برس ۲۶ دن اور ۲ گھنٹے، اس تفصیل، وعمدگی سے بطلیموس نے اپنے زمانہ کی تصریح کر دی ہے، لہذا اس کا زمانہ عہد آگسٹس سے ایک سو اکسٹھ برس بعد ہے۔

اور اقوام گذشتہ کی تاریخ کے ماہرین اور قرون ماضیہ کی تاریخ کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آگسٹس رومی بادشاہ ہے جو خاندان بطالمۂ یونان کی آخری ملکہ کلیوپیٹرا پر غالب آیا تھا، اور صرف اسی بات سے اس شخص کی تردید ہو جاتی ہے جو بطلیموس کو بطالمۂ یونان سے خیال کرتا ہے، اس امر میں صرف یہی دلیل کافی ہوگی انشاء اللہ

" " " " " " " "

حقیقة وقته وان عصره کان بعد

عصر اوغسطس بمائة واحدی و

ستین سنة واجمع اهل العلم باخبار

الامم السالفة والمعرفة بتواریخ

الاجیال الخالیة ان اوغسطس هذا

ملك رومی وانه تغلب علی قلوبطرا

آخر ملوك البطالمة الیونانیین

وفی هذا ما یبین خطأ من زعم انه

احد البطالمة الملوك وفیه کفایة

ان شاء الله تعالی [1]

**تاریخ علوم** مصنفین اسلام مین صاعد پہلے شخص ہین جنہون نے علوم اقوام کی تاریخ لکھی، اور ان کے بعد بھی ہمین نہین معلوم کہ کسی نے آج تک عربی مین اس موضوع پر قلم اٹھایا ہو، اگرچہ ان سے پیشتر ابن الندیم نے الفہرست ایسی ضخیم اور مبسوط کتاب لکھ دی تھی مگر وہ کثرت اسمائے کتب کی وجہ سے ایک طول طویل خشک فہرست ہے پھر وہ کسی خاص ترتیب پر مرتب اور مدون نہین ہے اس لیے وہ کوئی باقاعدہ علوم کی تاریخ نہین کہی جاسکتی، صاعد سب سے پہلے مصنف ہین جو علوم عرب قبل وبعد از اسلام انکی ابتدا اور تدریجی ترقیون سے ہم کو روشناس کرتے ہین، کسی قوم کی علمی تاریخ (لٹریری ہسٹری) لکھنا یورپ کی اولیات مین شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ سب سے پہلے یہ شرف علم پرست مسلمانون ہی کو پہنچتا ہے،

**تاریخ طبیعی** نوع انسانی سے قبل نوع حیوانی کے وجود اور ان کے معدوم ہوجانے سے متعلق نیچرل ہسٹری

[1] طبقات ص ۳۰-۲۹



کا ایک اہم نظریہ ہے جو سائنس دانون مین مختلف فیہ ہے، بعض کا خیال ہے کہ نوع انسانی کے وجود مین آنے سے پیشتر ضرور نوع حیوانی روئے زمین پر موجود تھی، اور کہ آتش فشان پہاڑون اور زلزلون کے تصادم سے وہ ہلاک ہوگئی، بعض علماء جو ڈاروِن کے ہمخیال ہین اس بات کے قائل ہین کہ وہ ہرگز فنا نہین ہوگئی بلکہ اسکی جگہ اس سے بہتر انواع کے حیوانات نے لے لی ہے، بعض کی رائے ہے کہ انسان ہی نے اس کو مار کر فنا کردیا، لیکن جون جون تحقیقات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے یہ قیاسات محض بے پا افتادہ اور دور از کار معلوم ہوتے ہین، چنانچہ حال ہی مین تاریخ طبیعی کے ایک عالم مسٹر پریٹر (PRATER) نے "ازمنۂ قدیمہ کے حیوانات" [1] پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ تمام تاویلات جو پیش کی گئی ہین محض ظنیات ہین جو کسی طرح متیقن نہین ہین، بعض علمائے سائنس کو ان قیاسات کے تسلیم کرنے سے انکار ہے یعنی کہ وہ نہ تقدیم نوع انسانی کے قائل ہین اور نہ اسباب کو مانتے ہین کہ انسان ہی نے اس نوع کو معدوم کردیا، انہی مین ایک علامہ صاعد کو بھی سمجھنا چاہیے جو ایسی رائے کو فلسفہ وحکمت سے بعید سمجھتے ہین، چنانچہ قدمائے مصر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہین :-

| | |
|---|---|
| کانوا یرون انه کان فی عالم الکون والفساد قبل | قدمائے مصر یہ رائے رکھتے تھے کہ عالم کون وفساد |
| نوع الانسان انواع کثیرة من الحیوان علی صور غریبة | مین نوع انسان سے پہلے کئی انواع حیوانات موجود تھین، |
| وتراکیب شاذة ثم کان نوع الانسان فغلب تلك | جنکی عجیب وغریب صورتین تھین، جب نوع انسانی وجود |
| الانواع وقاتلها حتی افنی اکثرها وشرد بقیتها | مین آئی اور وہ ان پر غالب ہوگئی تو ان مین سے اکثر کو |
| الی البراری والفلوات فمنهم الغیلان والسعالی | فنا کردیا اور بقیہ حیوانات کو مار مار کر جنگلون مین بھگادیا، |
| وغیر ذلك مما ذکره عنهم [2] الصدفی فی تاریخ المؤلف | انہی حیوانات مین سے غول بیابانی اور سعالی (جنیا) بھتنیان ہین جنکا |

[1] مطبوعہ روزنامہ "بمبئی کرانیکل" مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۲۵ء یہ لکچر نیچرل ہسٹری سوسائٹی کے جلسہ منعقدہ ۱۷ جولائی ۱۹۲۵ء مین دیا گیا تھا، [2] اس نام کا کسی مصنف کا پتہ نہین چلتا، غالباً یہ الصدفی کی تصحیف ہے جو مصر کا نامور مورخ عبدالرحمن بن احمد بن یونس الصدفی المتوفی ۳۴۷ھ تھا، اس کی تصنیف سے دو کتابین تاریخ مصر پر ہین، (ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۸) ایک کتاب کا نام "المقید فی اخبار المصریین" اور دوسری کا نام "طبقات العلماء المصریین" ہے، (اکتفاء القنوع ص ۲۲۵)

فی اخبار مصر فان کان ذلک حق فهو منهم البعید فی هذا الرأی من نظام الحکمة و قانون الفلسفة

ذکر صاعد نے اپنی تاریخ مصر میں کیا ہے، اگر یہ صحیح ہو کہ انکی یہ رائے تھی تو وہ لوگ اپنی اس رائے میں نظام فلسفہ و قانون حکمت سے کس قدر دور جا پڑے تھے!

**فلسفہ**

صاعد کو فلسفہ و حکمت سے ایک خاص مناسبت ہے، طبقات میں علوم قدیمۂ یونان پر جو کچھ انھون نے تحریر فرمایا ہے اس سے فلسفہ مین انکی زبردست واقفیت کا ثبوت ملتا ہے،

طبقات میں انھون نے ارسطو کی کتاب سوفسطیقا اور کتاب الحیوان کا حوالہ دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو اصل یونانی متنوں تک ان کی رسائی نہ ہو، لیکن اس میں تو شک نہیں ہے کہ کتب یونانی کے عربی تراجم یران کو دسترس تھی، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے ارسطو کے فلسفہ کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے، ابوبکر محمد بن زکریا رازی اسلام کے وہ مایۂ ناز فلسفی اور طبیب ہین جنھون نے ارسطو ایسے عظیم الشان فلسفی پر سخت اعتراضات کیے ہین، اور کئی مسائل علمی میں اسکی مخالفت کی ہے، صاعد ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہین:-

وکان شدید الانحراف عن ارسطاطالیس وعائباً له فی مفارقته معلمه افلاطون وغیره من متقدمی الفلاسفة فی کثیر من آرائهم وکان یزعم انه افسد الفلسفة وغیّر کثیراً من اصولها وما اظن الذی احفظه علی ارسطاطالیس وحداه الی تنقصه الا تاثره علی میزانه الذی هی محنته وبها یتبین خطاؤه فی کتابه فی العلم الالهی وکتابه فی الطب الروحانی وغیرهما من کتبه الدالة علی استحسانه

یہ ارسطو کے سخت مخالف تھے، انھون نے ارسطو کے اپنے استاد افلاطون وغیرہ فلاسفۂ متقدمین کی اکثر آراء کو ترک کر دینے پر سخت معترض تھے، انکی رائے تھی کہ ارسطو نے فلسفہ کو خراب کر ڈالا، اور اس کے اکثر اصولون کو متغیر کر دیا، لیکن میرے خیال میں رازی کے ارسطو پر اس قدر برہم ہونے اور اسکی تنقیص کرنے کا بجز اسکے اور کوئی سبب نہیں ہے کہ ارسطو نے علم الالٰہی اور طب روحانی وغیرہ تالیفات میں فرقۂ ثنویہ کے شرک مین اور براہمہ کے ابطال نبوت مین

---

[1] طبقات ص ۴۰، [2] ص ۲۹ و ۳۰ (بیروت)، [3] فرقۂ ثنویہ، وہ فرقہ ہے جو نور و ظلمة کو قدیم اور ازلی مانتا ہے بخلاف مجوس کے کہ وہ ظلمت کو حادث اور نور کو ازلی مانتے ہین، نیز وہ ہر چیز میں نفس، جہت، مکان، اجناس، ابدان، اور ارواح مین ان دونون (نور و ظلمت) کے اختلاف کے قائل ہین، (شہرستانی برحاشیۂ ابن حزم ج ۲ صفحہ ۱۰۰)



لمذهب الثنویة فی الاشراک ولآراء البراهمة فی ابطال النبوة، ولاعتقاد عوام الصابئة التناسخ، ولو ان الرازی وفقه الله تعالی لرشده وحبب الیه نصر الحق لتوصف ارسطاطالیس بانه محض آراء الفلاسفة ونخل مذاهب الحکماء فنفی خبثها واسقط غثها، وانتقی لبابها واصطفی خیارها فاعتقد منها ما توجبه العقول السلیمة وتراه البصائر الناقدة وتدین به النفوس الطیبة، واصبح امام الحکماء وجامع فضائل العلماء،

اور عام صابیہ کے تناسخ مین ہم آہنگی کا اظہار کیا ہے، اور اسی بنا پر رازی نے اسکی مخالفت کی ہے، اگر خدا رازی کو ہدایت کی توفیق عطا کرتا اور وہ امداد حق کے خواہان ہوتے تو ارسطو کی بابت یون کہنے کہ ارسطو نے فلسفہ کو پاک صاف کر دیا، مذاہب علماء کو چھان کر ان کا میل کچیل نکال کر پھینکدیا، لب لباب الگ کر دیا، اور ماصفا کو لے لیا، جو باتین عقل سلیم صاحبان نقد و بصیرت اور پاک نفس لوگون کے نزدیک واجب تھین ان پر اپنا اعتقاد رکھا، اس طرح وہ حکماء کا پیشوا اور علماء کے محاسن کا جامع بنگیا[1]

**ملل و ادیان**

صاعد نے مذاہب اقوام کا خاص طور پر مطالعہ کیا تھا، اس موضوع پر انکی ایک کتاب "مقالات اہل الملل والنحل" ہے جو انکی دوسری تصانیف کی طرح مفقود ہوگئی ہے، ان کا یہ ایک نظریہ ہے کہ ہر قوم اپنے ابتدائی دور مذہبی میں صابیہ (ستارہ پرست) تھی، طبقات میں جہان انھون نے امم قدیمۂ عالم کی تقسیم طبقات پر کی ہے وہان لکھتے ہین:-

فهذه الامم کانوا جمیعاً صابئة یعبدون الاصنام تمثیلاً بالجواهر العلویة والاشخاص الفلکیة من الکواکب السبعة وغیرها[2]

یہ سب امتین صابی المذہب تھین جو قیمتی جواہرات سے بنائے ہوئے بتون اور اجرام سماوی مین سے کواکب سبعہ وغیرہ کی پرستش کرتی تھین،

یہ نظریہ ایک فلسفیانہ اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ انسان اپنے اولین دور اعتقاد مین جب کہ اس کے ارد گرد کوئی خاص فضائے مذہبی موجود نہ تھی تو کھلے ہوئے آسمانون کی وسعت بے پایان اس کو حیران بناتی رہی، اور اجرام سماوی کی درخشانی اسکی نگاہون کو خیرہ کرتی رہی، وہ اس "طلسم قدرت"

---

[1] طبقات ص ۳۳ و ۳۴

کاراز سمجھنے سے عاجز اگر ان کے آگے اپنا سر جھکا دیتا ہے، پھر اپنے متخیلہ کے مطابق قیمتی اشیا، جواہرات وغیرہ سے انکی شبیہین بنا کر انکی پرستش کرتا ہے، ان کے نام پر ہیاکل اور بتکدے تعمیر کرتا ہے، قربانیان چڑھاتا ہے، اور ان کواکب سبعہ کو عالم سفلی مین موثر مانتا ہے، اس طرح بت پرستی عالم وجود مین آتی ہے، قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی تخیل عقیدت کا جو منظر دکھایا ہے وہ اسکی بہترین مثال ہے جس سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے،

فن نجوم

فن نجوم سے قاضی صاحب کو بہت دلچسپی ہے، اور اس چھوٹی سی کتاب مین انھون نے نجوم و احکام نجوم سے اپنی پوری واقفیت اور مہارت تامہ کا ثبوت دیا ہے، منجمین اور فن نجوم کے علماء پر خردہ گیریان کی ہین اور جابجا انکی اغلاط پر تنبیہ کی ہے،

مسلمہ ابن احمد المعروف بالمرحیط نے جو اندلس مین ریاضیات کا امام تھا، محمد بن موسیٰ الخوارزمی کی تاریخ فارسی کا عربی مین ترجمہ کیا تھا، لیکن جو غلطیان اصل مصنف نے کی تھین وہ ترجمہ مین بھی قائم ہین، ان اغلاط پر صاعد نے اپنی کتاب "اصلاح حرکات النجوم" مین تنبیہ کی ہے، چنانچہ لکھتے ہین:-

ووضع اوساط الکواکب فیہ لاول تاریخ الھجرۃ وزاد فیہ جداول حسنۃ علی انہ اتبعہ الی خطئہ فیہ ولم ینتبہ علی مواضع الغلط منہ وقد نبھت علی ذالک فی کتابی المؤلف فی اصلاح حرکات النجوم والتعریف بخطأ الراصدین [1]

اس کتاب مین اوساط کواکب کو اس نے سنہ ہجری سے لیا ہے اور عمدہ جدولون کا اضافہ کیا ہے، مگر یہ کہ اس نے غلطیون مین خوارزمی کی پیروی کی ہے، اور ان پر اس کو تنبیہ نہین ہوا، ہمنے اپنی کتاب اصلاح حرکات النجوم مین ان اغلاط کو دکھایا ہے،

عبداللہ بن احمد السرقسطی المتوفی ۴۴۸ھ نے جو علم ہیئت و نجوم کا امام تھا، ہندوستان کے

[1] طبقات ص ۷۶



زبردست ہیئت دان برہم گپتا (۶۲۸ء) کی کتاب برہم سدہانت پر اعتراض کئے تھے اور ایک رسالہ لکھا تھا جس مین اسکی غلطیان دکھائی تھین، صاعد نے ان اعتراضات کی تردید کی اور انکی غلطیون پر اپنی کتاب مین تنبیہ کی، چنانچہ لکھتے ہین:-

ورأیت رسالۃ لہ کتب بھا الی ابی مسلم بن خلدون الاشبیلی یذکر فیھا فساد مذھب السند ھند فی حرکات الکواکب وتعدیلھا ویحتج باشیاء قد رددنا علیہ وبینا موضع الغلط منھا فی کتابنا المؤلف فی اصلاح حرکات الکواکب والتنبیہ علی خطأ المنجمین

مین نے اس کا ایک رسالہ دیکھا ہے جو اس نے ابی مسلم ابن خلدون اشبیلی کو لکھ کر بھیجا تھا، اس مین اس نے حرکات و تعدیل کواکب سے متعلق برہم سدہانت کی خرابی کا ذکر کیا ہے، اس کے دلائل کی ہم نے تردید کی ہے، اور اپنی کتاب اصلاح حرکات النجوم مین اس کی غلطیان دکھائی ہین،

فن طب

فن طب مین بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اچھا دخل تھا، اگرچہ اس فن مین انھون نے اپنی کسی تصنیف کا ذکر نہین کیا،

ابو مروان عبدالملک بن مروان بن زہر اشبیلی جو ایک نامور طبیب تھا اور جسکی شہرت کا آوازہ مشرق و مغرب مین پھیل چکا تھا اس کے تذکرہ مین لکھتے ہین:-

ولہ فی الطب آراء شاذۃ منھا منعہ من الحمام واعتقادہ انہ لیعفن الاجسام ویفسد ترکیب الامزجۃ وھذا رأی یخالف فیہ الاوائل والاواخر ویشھد

طب مین اسکی انوکھی رائین ہین، مثلاً حمام کی ممانعت، جس کے متعلق اسکی رائے ہے کہ یہ اجسام کو متعفن اور امزجہ کی ترکیب مین فساد پیدا کر دیتا ہے، حالانکہ یہ رائے متقدمین اور متاخرین دونون کے خلاف ہے، اور خواص و عام سب اس رائے کے غلط ہونے پر شاہد ہین، بلکہ اگر

طبقات ص ۷۷-۷۸

بخلطه العوام والخواص بل اذا استعمل على الترتيب الذي يجب بالتدريج ينبغي يكون رياضة فاضلة ومهنة نافعة لتفتيح المسام وتطرية للفضول وتلطيفه لما غلظ من الكيموسات[1]

اس تدریجی ترتیب سے جو ضروری ہے، حمام کیا جائے تو بہت بڑی جسمانی ورزش ہے اور مسامات کو کھولنے، فضول مواد جسم کو پاک کرنے، اور کیموساتِ غلیظہ کو لطیف کرنے مین بیحد مفید ہے،

**تصنیفات** صاعد کی تصنیف سے حسب ذیل کتابین ہین،

(۱) مقالات اہل الملل والنحل، (۲) اصلاح حرکات النجوم والتعریف بخطاء الراصدین (۳) جوامع اخبار الامم من العرب والعجم[عہ] (۴) صنوان الحکمة[2] (۵) تاریخ الحکماء[3] (۶) التعریف بطبقات الامم،

کاسیری (CASIRI) نے اسکیوریال کی قلمی کتابون مین صاعد کی دو کتابون:- (۷) تاریخ الاندلس اور (۸) تاریخ الاسلام کا ذکر کیا ہے[4]،

[1] طبقات ص ۵۸، [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۹۵ علم طبقات الحکماء کے تحت مین طاش کبری زادہ (مفتاح السعادة ج ۱ ص ۲۳۳) نے اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

وقد اعتنى بذلك كثيرون منهم الصاعد الذي هو من مشاهير الحكماء، وصنف فيها كتاب صنوان الحكمة ورأيته في عنفوان الشباب وهو كتاب لطيف لكني نسيت اسم مصنفه"

اور اس فن کی طرف کئی لوگون نے توجہ کی ہے ان مین سے صاعد بھی جو مشاہیر حکماء سے ہین اور انھون نے اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے، جسکا نام صنوان الحکمۃ ہے، مین نے جوانی مین اس کتاب کو دیکھا تھا وہ بہت عمدہ کتاب ہے مگر اسکے مصنف کا نام مجھے یاد نہین رہا،

نواب صدیق حسن خان مرحوم نے بھی (ابجد العلوم ص ۳۵۵) یہی عبارت لکھی ہے مگر حوالہ نہین دیا، نہین معلوم خود انھون نے یہ کتاب دیکھی تھی یا طاش کبری زادہ سے نقل کیا ہے، برلین کی فہرست رائل لائبریری برلین ج ۹ ص ۳۰، مین نمبر ۲۲ پر ایک کتاب تتمۃ صنوان الحکمۃ بیہقی کی تصنیف سے ہے غالباً یہ اسی کتاب کا ذیل ہے، حکماء کے حالات مین پروفیسر سخاؤ نے کتاب الہند بلیرونی کے حواشی مین اس کتاب کے حوالے دیے ہین،

[3] طاش کبری زادہ (مفتاح ج ۱ ص ۲۱۸) نے علم التواریخ کے تحت مین صاعد کی دو کتابون کا ذکر کیا ہے، ایک تو یہی صنوان الحکمۃ اور دوسری تاریخ الحکماء، ابن خلکان (ج ۲ ص ۷۶) نے بھی فارابی کے تذکرہ مین صاعد کی کتاب طبقات الحکماء کا حوالہ دیا ہے، پھر آگے چلکر اس نے صاعد کی کتاب طبقات الاطباء کا حوالہ دیا ہے، غالباً یہ دونون کتابین ایک ہین، [4] BIBLIOTHECAARRAPICO HISP... NO II P. 2..

عہ نمبر ۲ سے ۶ تک کا ذکر خود صاعد نے طبقات مین کیا ہے،



یہ تمام کتابین آج مفقود ہین جنمین سے سوائے طبقات الامم کے عام کتبخانون مین کسی ایک کا بھی پتہ نہین چلتا،

**طبقات الامم** یہ کتاب قرون وسطی کی علمی تاریخ ہے جس مین تمام دنیا کی علمی قومون کے علوم وفنون کے حالات درج ہین، مصنف نے اس مین امم قدیمہ کے طبقات تاریخی اور علمی حیثیت سے قائم کئے ہین، اور اقوام عالم کے متعلق بہت مفید اور کارآمد باتین منظم اور مدون طریقہ پر جس اختصار اور جامعیت کے ساتھ لکھی ہین وہ کسی تالیف سابق مین نظر نہین آتین، صاعد نے یہ کتاب سنہ ۴۶۰ھ مین یعنی اپنی وفات سے دو سال پیشتر لکھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدة العمر علمی مشاغل اور تصنیف وتالیف مین منہمک رہے ہین،

اس کتاب نے اہل اندلس کے ہان بہت قبولیت حاصل کر لی تھی، اور وہ اس پر بجا طور سے فخر کرتے تھے اور اہل مشرق کو یہ کتاب روایۃً سناتے تھے چنانچہ جب ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن مرزوق الیحصبی اندلسی حج کو جاتے ہوئے اسکندریہ سے گذرے تو انھون نے ابو طاہر سلفی (المتوفی ۵۷۶ھ) کو یہ کتاب سنائی، یہ کتاب یحصبی نے ابن بزال سے اور ابن بزال نے خود صاعد سے سنی تھی[1]،

مشرق مین بھی اس کتاب کی خاص قدر ومنزلت کیگئی، ابو الفرج ابن العبری نے اپنی کتاب مختصر الدول مین اہل عرب اور ان کے علوم سے متعلق دو ٹکڑے اس کتاب سے نقل کیے ہین[2]، اسی طرح ابن خلکان، ابن القفطی، ابن ابی اصیبعہ یاقوت، ذہبی، مقری اور مراکشی (صاحب المعجب)

[1] کتاب التکملة لکتاب الصلة لابن الابار ج ۲ ص ۳۶۴ طبع مجریط، ونفح الطیب ج ۱ ص ۹۰۵ لیڈن،

طبقات کا مطبوعہ نسخہ بھی غلط اور ایک آدھ جگہ ناقص ہے پھر اس کے فاضل مصحح نے ۳ قلمی نسخون سے مقابلہ کرنے کے باوجود اسکو غلط در غلط کر چھوڑا ہے اسلیے پڑھتے وقت احتیاط کرنی چاہیئے اور اسکی روایات پر جو آخر کتاب مین شامل ہین ایک نظر ضرور ڈال لینی چاہیئے،

میرے محترم دوست مولوی شمس عبد العزیز راجکوٹی نے اطلاع دی ہے کہ طبقات کا ایک عمدہ قلمی نسخہ ریاست رامپور کے سرکاری کتبخانہ مین ہے مگر سے کیف الوصول الی سعادۃ دو نہائی ہے، [2] دیکھو مختصر الدول صفحات ۱۵۹-۱۵۸ و ۲۳۶-۲۳۵ طبع بیروت

وغیرہ نے اس کتاب سے اخذ کیا ہے[1]، ان مین سے بعض تو صفحے کے صفحے بلا حوالہ نقل کر لیے ہین، حاجی خلیفہ نے اس کتاب سے بخوبی استفادہ کیا ہو اور اسکی بہت تعریف کی ہے[2] علم الرصد کے بیان مین اس نے ایک طویل اقتباس اس کتاب سے نقل کیا ہے[3]، اس سے ثابت ہوتا ہو کہ اگلے لوگون کے نزدیک یہ کتاب کس وقعت کی مستحق تھی،

**ماخذ** صاعد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھون نے اس کتاب مین اپنے ماخذون کا جابجا حوالہ دیا ہے، اور جہان کہین کسی سے زبانی روایت سنی ہے تو اس کے نام کی بھی تصریح کردی ہے، اس کتاب مین صاعد نے حسب ذیل ماخذ کا ذکر کیا ہے[4]:-

(۱) کتاب الاکلیل وصفۃ جزیرۃ العرب للہمدانی،

(۲) التنبیہ والاشراف للمسعودی،

(۳) کتاب المعارف لابن قتیبہ

(۴) کتاب الالوف وکتاب المذاکرات لابی معشر الفلکی

(۵) کتاب الفہرست لابن الندیم

(۶) صلۃ التاریخ الطبری للفرغانی

(۷) زیج ابن الادمی معروف بنظام العقد،

اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ صاعد کا مذاق علمی تاریخی کسقدر بلند اور صحیح، اور نظر انتخاب کس قدر اعلیٰ تھی!

[illegible]



# فلسفۂ تمدن اور اسلام،

از

مولوی عبد الباسط صاحب بی اے

مذہبی ضروریات کا اندازہ کرتے ہوئے اب ہم موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہین یعنی انسان کے مدنی الطبع ہونے سے بحث کرتے ہین، امر مسلم الثبوت ہے کہ انسان فطرۃً مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے یعنی انسانون کی ایک جماعت کثیرہ کا راحت کے ساتھ عمر طبعی تک پہونچنے اور آیندہ نسلون کو راحت و آرام سے عمر طبعی تک پہونچانے کی غرض سے باہم مل کر بود و باش اختیار کرنا انسانی فطرت ہے،

جب راحت کے ساتھ عمر طبعی تک پہونچنے اور آیندہ نسلون کو عمر طبعی تک براحت و آسایش پہونچانے کے لئے ایک کثیر جماعت باہم مل کر رہتی ہے، تب اسمین تعامل اور تعاون شروع ہوتا ہے یعنی تمام وہ امور جو شخصی اہلی اور نوعی زیست کے باقی رہنے اور بہتر ہونے کے لئے ضروری ہین ان کو وہ بہت سے اشخاص آپس مین علی قدر مراتب بانٹ لیتے ہین، ہر شخص کے تمام ان کامون مین سے جو وہ روزانہ انجام دیتا ہے بعض ایسے ہوتے ہین جو وہ صرف اپنی ذات کیلئے کرتا ہے اور زیادہ وہ ہوتے ہین جو دوسرون کے فائدہ کیلئے ہوتے ہین،

تعاون و تعامل سے جو مطلق آزادی کسی جزیرے کے ایک تنہا باشندے کو ہو سکتی ہے اس مین ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے، تنہائی مین وہ اپنے فعل کا خود مختار تھا، لیکن اجتماعی زندگی مین یہ ناممکن ہو جاتا ہے، یہان دوسرون کا خیال غالب ہوتا ہے، تنہائی مین صرف اپنی زیست راحت سے بسر کرنے کی فکر ہوتی ہے، اجتماعی زندگی مین نوع انسان کی زیست کی فکر اس پر اور زیادہ ہو جاتی ہے،

اب جبکہ بالطبع مدنی الطبع ہونا ثابت ہوگیا تو ضرورت اس امر کی ہوئی کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس کا برتاؤ ایک دوسرے کیساتھ کن اصول پر ہونا چاہئے، آیا اس کو اس ذاتی خواہشات پر دوسرون کی ضروریات کو ترجیح دینا چاہئے، یا اپنی ضروریات زندگی کو مقدم سمجھنا ضروری ہے، جب ہر فرد کے انفرادی افعال جو زیست میں دخل رکھتے ہیں اس اعتبار سے کئے جائین کہ وہ فاعل کی زیست کو راحت و آرام کیساتھ عمر طبعی تک پہونچائین تب وہ نافع للذات کہلاتے ہین اور جب وہ اس اعتبار سے کئے جائین کہ ان سے اپنی ذات کے برخلاف دوسرون کو فائدہ ہو تب وہ نافع للغیر کہلاتے ہین، بالفاظ دیگر اپنے ذاتی مقاصد کی طلب کا نام **انانیت** ہے اور دوسرون کے مقاصد کی طلب کو اخوانیت [illegible] سے تعبیر کرتے ہین،

انسان مین راحت پسند [illegible] ور صحبت پسند ہونا دونون امر طبعی ہین اور وہی تمام ان افعال کی بنا ہین جنکا تعلق زیست سے ہے، اس لئے تمام افعال خواہ وہ نافع للذات ہون یا نافع للغیر باہم ایسے وابستہ ہین کہ ایک دوسرے سے جدا نہین ہوسکتے، تصاحب و تعامل کی حالت مین جس قدر نافع للذات افعال واجب ہین اسی قدر نافع للغیر بھی واجب ہین، اب وہ اشخاص جو صرف نافع للذات افعال کرتے ہین، اور نافع للغیر کو چھوڑ دیتے ہین، وہ اصول تصاحب و تعامل کو برہم کر کے قوم کی تباہی کا سبب ہوتے ہین، اور چونکہ خود بھی قوم کے ایک فرد ہین اس لئے ہلاک ہوجاتے ہین، اسی طرح وہ اشخاص جو اپنا وقت عزیز زیادہ تر افعال للغیر مین گذارتے ہین اور ضروری نافع للذات افعال کی پرواہ نہین کرتے وہ بھی بالآخر فنا ہوجاتے ہین،

**ہربرٹ اسپنسر** نے اس موضوع پر کافی توجہ کی ہے، اور انانیت اور اخوانیت دونون کا م توافق و تطبیق کی کوشش کی ہے، اس نے دکھایا ہے کہ ان دونون مین سے کسی مین بھی اگر افراط پسندی سے کام لیا جائے تو خود اس کی بربادی لازم آتی ہے، اگر ہر شخص اپنے ہی اغراض کا طالب ہو تو کسی ایک فرد کی بھی غرض حاصل نہ ہوگی اس لئے کہ ہر شخص اکثر حالات مین دوسرون کی مدد کا محتاج ہوتا ہے اور تمام



افعال اپنی زیست کیلئے انجام نہین دیسکتا، دوسری طرف اگر ہر شخص اپنی ذات کو تمامتر صرف دوسرون ہی کیلئے وقف کردے تو یہ خود ان کے لئے مضر ثابت ہوگا، اس لئے کہ اگر ہر شخص خود اپنی خبرگیری سے بے پرواہی برتے تو وہ اس اہلیت اور قابلیت کو نقصان عظیم پہونچائیگا جو اس مین دوسرون کی اعانت کی ہے، اور اصل فائدہ مفقود ہوجائیگا، اس بحث کو فلاسفر مذکور نے نہایت دلچسپ طریقہ پر بیان کیا ہے اور بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ ہمارا مقصد نہ تو خالص انانیت ہونا چاہئے اور نہ محض اخوانیت بلکہ ان دونون کی تطبیق و توفیق،

لیکن اگر یہان ذرا نظر غائر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ فی الحقیقت انانیت اور اخوانیت مین اس سے بھی کم منافات اور تباین ہے جیسا کہ ہربرٹ اسپنسر کو نظر آتا ہے اس لئے کہ نفس کی حقیقی تکمیل صرف مقاصد اجتماعیہ ہی کی تکمیل سے ممکن ہے، چنانچہ **ہیگل** کا مقولہ ہے کہ ہم اپنی تکمیل اپنی قربانی ہی سے کرسکتے ہین، اور اس طریقہ سے ممکن ہے ہم کو اپنی ذات کا تحقق ہوتا جاتا ہے، اسی حد تک کلی نقطۂ نظر سے قریب ہوتے جاتے ہین یعنی وہ نقطۂ نظر جس سے ہماری نگاہ مین اپنی شخصی بھلائی کسی دوسرے کی بھلائی سے زیادہ اہم نہین رہجاتی، اس مین شک نہین کہ اپنی انفرادی ترقی کا خیال دوسرون کی ترقی کے مقابلہ مین ہمارے لئے ہمیشہ لازمی ہے، کیونکہ اپنی ذاتی ضرورتو نکو ہر شخص خود ہی خوب سمجھ سکتا ہے اور اپنی ذاتی ترقی و تکمیل کے وسائل خود ہی خوب جانتا ہے، لیکن اپنی ذات کی فلاح اندیشی جماعت کی فلاح اندیشی کے نقطۂ نظر پر مبنی ہو تو اس کو صحیح معنون مین انانیت نہین کہا جاسکتا، اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایک فرد کی تکمیل ہے، لیکن جماعت کے لئے جسمین ذاتی خواہشون کو اجتماعی منافع کیلئے قربان کردیا جاتا ہے، اور ذاتی ترقی کا اصل مقصد اجتماعی ترقی ہوتی ہے، جب یہ مسلّم ہوجائے تو انانیت اور اخوانیت مین کوئی تعارض باقی نہین رہتا کیونکہ اس صورت مین ہم نہ صرف اپنی بھلائی چاہتے ہین اور نہ محض دوسرون کی بلکہ دونون کی اور یہ سمجھکر کہ دونون ایک ہی کل کے جزو ہین،

انفرادی ہستی بحیثیت ایک فرد ہونے کے بالکل نیست ہے چنانچہ **ارسطو** نے انسان کی تعریف یہ کی ہے کہ "وہ ایک سیاسی حیوان ہے" اور اخلاقیات پر جب تک اس کو سیاسیات یعنی علم جماعت یا سوسائٹی کا ایک

جو متوازن قرار دیا جائے تو تسلی بخش بحث نہین ہو سکتی کیونکہ جس قدر بھی فرائض و محاسن اخلاق ہین وہ ہر قدم پر جماعت ایک دوسرے کیساتھ باہمی روابط پر موقوف ہین، اگرچہ دور جدید انفرادی آزادی اور شخصی حریت کا حامی نظر آتا ہے لیکن حکمائے قدیم کے خیالات اس کے بالکل برعکس معلوم ہوتے ہین چنانچہ افلاطون کی مشہور کتاب جمہوریت ہے جسمین وہ انسان کی اجتماعی نظریے سے اس درجہ متاثر تھا اور جماعتی پہلوے حیات انسانی کے مطالعہ کو اس قدر ضروری جانتا تھا کہ انفرادی محاسن اور شخصی آزادی کی تحقیق کی بجائے پہلے اُس نے بھی حکومت کے میزات معلوم کرنے کی کوشش کی، اِن پر کافی روشنی ڈالنے کے بعد اس کے نزدیک شخص واحد کا امتیاز نہایت آسان تھا، یہی وجہ ہے کہ اخلاقیات مین افلاطون کی سب سے بڑی تصنیف اسکی کتاب جمہوریت ہے جسمین اُس نے ایک نصب العینی حکومت کا خاکہ کھینچا ہے، یونانیون کی عام ر[illegible] تقسیم کی رو سے اس حکومت کے وجود کیلئے افلاطون کے نزدیک چار بڑے فضائل کا کسی شخص واحد مین پایا جانا ضروری تھا یعنی حکمت، شجاعت، عفت اور عدالت، اِن فضائل کی جو اہمیت حکومت کیلئے ہے، اِس سے وہ انفرادی زندگی مین ان کی اہمیت کا نتیجہ نکالتا تھا،

نہ صرف افلاطون بلکہ ارسطو کو بھی انسان کے مدنی الطبع ہونے کا کچھ کم دعویٰ نہ تھا، اس نے اخلاقیات پر جو بلند پایہ کتاب لکھی ہے، اس کا حصہ اولین یہی ہے کہ اخلاقیات سیاسیات کا ایک جزو ہے، اس کی تصنیف اِن تمام فضائل سے مملو ہے جو کسی حکومت مین عمدہ شہریون کے لئے ضروری ہین اور جنکو وہ یونان مین موجود پاتا تھا، لہذا معلوم ہوا کہ یونانیون کا بہترین علم اخلاق ایک ایسی حکومت کے تخیل پر مبنی ہے جس کے اندر رہکر افراد کو اپنی زندگی کی تکمیل کرنا چاہئے، البتہ فرقہ رواقیہ یا (STOIEFRILOSPHII) کا مسلک صرف اس وقت وجود مین آیا جب کہ یونانی حکومت کا بہترین زمانہ گذر چکا تھا، اور اِن پر روم کے باشندے فاتحانہ حکومت کر رہے تھے،

**رواقیت** کی رو سے ایکو کار انسان جس کو وہ حکیم کے نام سے موسوم کرتے تھے کسی خاص رشتۂ اجتماعی کا پابند نہین ہوتا تھا بلکہ خود اپنی مستقل اور آزاد زندگی رکھتا تھا لیکن باوجود اس کے وہ اسکو تسلیم کئے بغیر نہین رہ سکتے کہ ایک اعلی اخلاقی عمدہ آدمی شہری ہوتا ہے، ان کی تعلیمات جسمانی، روحانی، اور اخلاقی بلند اور اعلی ہین،



لیکن اُصولِ تمدن سے اجتماعی روابط کی اِن مین بہت کمی پائی جاتی تھی جس نے ان کو زمانہ کی نظرون مین تقریباً بیخبر اور خارج از انسانیت بنا دیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ انکی تعلیمات انفرادی آزادی کے قریب لفاظیون کا ایک مجموعہ معلوم ہوتا ہے، یہان اگر ہم کو اس کا بھی انکشاف ہو جاتا ہے، کہ مسیحیت مین رہبانیت کس حد تک جائز ہے، اس رواقیت کے اصول پر مسیحیت نے بھی یہی راہ اختیار کی یعنی عیسائی مذہب کی بنیاد بھی بلا قید ملک و ملت رواقیت پر ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افراد کی مستقل بالذات اور مستغنی عن الاجتماع حیات کی قائل نظر آتی ہے، اس کا مسلک یہ ہے کہ ہر شخص کو خود اپنی نجات کی راہ نکالنا چاہئے، اور زندگی کے اعلی نصب العین کے حصول کیلئے والدین، اعزہ و اقارب اور دوست احباب تک کو چھوڑ دینا چاہئے چنانچہ بڑے بڑے خدا پرست جنگل بیابان یا پہاڑ کے کھوہ مین عبادت الٰہی مین مصروف رہنا پسند کرتے رہے ہین اور اس متمدن زندگی پر اس رہبانیت کی زندگی کو بہمہ وجوہ ترجیح دیتے ہین لیکن اگر اصولِ مسیحیت اور اس زمانہ کے حالات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسیحیت کو اپنے زمانہ مین جو کہ ایک بالکل نئے حالات کی دنیا سے مقابلہ کرنا تھا اس لئے لازمی طور پر اس کو شروع مین رہبانیت پر کسی قدر زیادہ زور دینا پڑا لیکن جب اس نے کچھ عرصہ بعد ایک بڑی دنیا کو فتح کر لیا تو اس کا اجتماعی رُخ سامنے آنے لگا، اور بالآخر وہ اِس امر پر زور دینے مین بھی کسی دوسرے مذہب سے پیچھے نہین رہا، کہ

بنی آدم اعضائے یک دیگرند  که در آفرینش ز یک جوہرند

اور کمال کی کے لیے خدا اور بندون دونون کے ساتھ اتحاد و اتصال ضروری ہو گیا چنانچہ عیسائی دنیا مین بھی اب یہی رخ زیادہ اہم اور ضروری خیال کیا جاتا ہے،

اس کے بعد جب ہم مذہب اسلام کی طرف نظر کرتے ہین، تو صاف الفاظ مین ہمکو نظر آتا ہے کہ لا رهبانية في الاسلام یعنی اسلام مین غیر متمدن زندگی کسی طرح جائز ہی نہین ہے اصولِ شرع یہ تسلیم دیتے ہین کہ ہم کسی طرح بھی غیر متمدن زندگی بسر کرکے عاقبت مین نجات کے مستحق نہین ہو سکتے وہ رہبانیت کی زندگی کو سرے سے ہی ناجائز بتاتے ہین، اور اگر ذرا بھی غور و خوض سے کام لیا جائے،

تو معلوم ہوگا کہ در اصل انسان ایک دوسرے کا دنیوی ضروریات مین اس قدر محتاج بنایا گیا ہے کہ وہ رہبانیت کی زندگی براحت بسر ہی نہین کر سکتا، یہ مسئلہ اس وقت بالکل صاف ہو جاتا ہے، جب یہ فرض کر لیا جائے کہ کسی خاص جگہ کے تمام باشندے رہبانیت کی زندگی بسر کرنے لگین قیاس اسکو تسلیم نہین کر سکتا کہ انکی بالحتاج اشیار کی فراہمی کس صورت سے ممکن ہے، جب ایک اصول چند افراد کے لیے نہ صرف مشکل بلکہ محال محض ہو تو اقوام کے لیے وہ کس طرح قابلِ تقلید ہو سکتا ہے، انسان کو شخصی زندگی قائم رکھنے والی چیزون کے بعد جس اشد ضرورت کا احساس ہوتا ہے وہ نوع انسان کے گروہ کو ایک جا جمع ہو کر رہنے کی ضرورت ہے، اس مین شک نہین کہ ہر انسان ذاتی طور پر بالکل آزاد ہے اور کوئی چیز اسکو مقید نہین کر سکتی! لیکن اس کا اگر دوسرا رخ اٹھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک دوسری حیثیت سے وہ اس قدر ضعیف اور عاجز ہے کہ اس کو اپنی زندگی کی حفاظت کی غرض سے اس آزادی کا ایک بہت بڑا حصہ قربان کرنا پڑتا ہے، اسی وجہ سے علمائے تمدن کا اتفاق ہے کہ انسان اپنی طبیعت کے برخلاف اجتماع کے لیے مجبور ہے، کیونکہ اس کے بغیر اس کی زندگی ناممکن ہے اور وہ اس سے کسی وقت بھی مستغنی نہین ہو سکتا لہذا ظاہر ہے کہ وہ ایک دوسرے سے متحد ہو کر رہے،

بجز دیوانون اور فاترالعقل لوگون کے باقی ہر شخص کی زندگی تقریباً ایک مربوط شیرازہ ہوتی ہے، اس کے افعال کم و بیش ایک مرتب نظم و نسق کے تحت مین واقع ہوتے ہین اول روز سے جب وہ اس عالم مین آنکھ کھولتا ہے تو اسکو ضروریات زندگی دوسرے کی طرف دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور کرتی ہے، ایک شیرخوار بچہ کو جب بھوک بیتاب کرتی ہے تو وہ رو کر اپنی مان سے دودھ طلب کرتا ہے، جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو ستر پوشی کے لئے اس کو کپڑے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اسی طرح جب شیر مادر سے اس کا تغذیہ بند ہو جاتا ہے تو حیوانات اور نباتات کی طرف اس کو اپنی توجہ مبذول کرنا پڑتی ہے، جس قدر وہ ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر اس کی ضروریات زندگی بڑھتی جاتی ہین اور روز بروز



بیحد ہوتی جاتی ہین، ان تمام ضروریات کو ایک فرد واحد کسی طرح تنہا انجام نہین دے سکتا، دیگر افراد بنی نوع ملکر اپنا اپنا کام انجام دیتے ہین اور اس طرح ایک دوسرے کی ضرورت کی انجام دہی مین وقت صرف کرتے ہین،

ایک بڑھئی عمدہ عمدہ کرسیان، الماریان، اور انواع و اقسام کا فرنیچر تیار کرتا ہے وہ سب اسکی ذات خاص کے لیے بالکل بیکار ہے لیکن ایک عمدہ کوٹھی یا محل کے لیے نہایت ضروری ہے، بڑھئی کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ اناج اور کپڑا ہے لیکن وہ خود اس کے پیدا کرنے بنانے سے عاجز محض ہے ایک کسان غلہ دیکر بڑھئی سے کولھو یا ہل تیار کرا لیتا ہے لوہار سے دیگر آلاتِ زراعت لیتا ہے دھوبی سے کپڑے دھلواتا ہے درزی سے کپڑے سلواتا ہے، غرض ایک پیشہ ور کا کام دوسرے پیشہ ور سے باسانی نکل جاتا ہے، اور اسی طرح متمدن زندگی ترقی کرتی جاتی ہے اب ہر جگہ کا جداگانہ تمدن ہے کہ وہان کے باشندے کس طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہین اس کے لئے کوئی خاص قانون مقرر نہین ہو سکتا، آزاد سے آزاد اور وحشی سے وحشی شخص بھی اپنے اجتماعی ماحول کے اثر سے کلیۃً محفوظ اور غیر متاثر نہین رہ سکتا، جو جماعت قوم یا نسل جس آب و ہوا یا خطۂ زمین مین بود و باش اختیار کرتی ہے اس کے ماحول سے اثر پذیر ہونا اس کو ناگزیر ہے،

اسی وجہ سے مختلف ممالک اور مذاہب کا تمدن مختلف ہوتا ہے یہی اخلاقی آب و ہوا جس مین کوئی شخص زندگی گذارتا ہے اس کی خواہشون کا اصلی عالم ہو جاتی ہے، لیکن اصولاً ہر انسان اپنی ذات کو ذات نہین بلکہ کسی جماعت کا ایک جزو سمجھتا ہے یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ مِل جیسے مصنف تک نے جو بعض حیثیات سے سخت انفرادیت کا قائل ہے اسی پر زور دیا ہے وہ کہتا ہے کہ، اجتماعیت اس قدر فطری اور لازمی شے ہے کہ بعض غیر معمولی حالات یا عمداً تجرد کی کوشش کے سوا انسان اپنی ذات کا جماعت سے علیحدہ تخیل کر ہی نہین سکتا اور جس قدر نوع انسان وحشیانہ عہد کی آزادی سے دور ہوتی جاتی ہے

اسی قدر یہ شیرازہ زیادہ مضبوط و مستحکم ہوتا جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ انسانی احول کی جو چیز کسی حالت اجتماعی کے لیے لازمی ہوتی ہے وہ روز بروز ہر فرد جماعت کے تخیل کا غیر منفک جز بنجاتی ہے"

لہذا ہم جب کسی جماعت کو مشترک زبان، مشترک قانون، مشترک مذہب اور مشترک مقاصد کے رشتہ سے باہم پیوستہ دیکھتے ہین تو ایک وسیع معنی کے لحاظ سے کہہ سکتے ہین کہ اس کے تمام افراد ایک ہی عالم مین زندگی گذارتے ہین، اس مین کوئی شک نہین کہ ان مین شخصی اور انفرادی امتیازات قائم رہتے ہین، بعض اشخاص ان مشترک رشتون سے کم وابستہ ہوتے ہین اور بعض زیادہ، بلکہ بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر لحظہ ہر آن اُن مین سے ہر ایک کے عالم مین کافی تغیر واقع ہوتا رہتا ہے، تاہم مقامی رسوم اور ماحول کا اثر ان کے شخصی امتیازات پر غالب رہتا ہے، دوسرون کے متعلق معلومات بہم پہنچانے روزمرہ کے کامون مین ایک دوسرے کی احتیاج بطور خود ہی کسی جماعت کے افراد مین ایک مجانست و موانست پیدا کر دینے کے لیے کافی ہین، اور جب اس پر تعلیم و تربیت کا اضافہ ہو جاتا ہے تو اس کی قوت بہت زیادہ بڑھجاتی ہے، چنانچہ اسکی زندہ مثال ہماری آنکھون کے سامنے اہل یورپ اور بالخصوص اہل امریکہ موجود ہین، یہ لوگ ایک زبان رکھتے ہین، ایک قانون کی کڑی سے منضبط ہین اور اپنے تمام اجتماعی مقاصد مین بھی ہم آواز ہین، تعلیم و تربیت، اتحاد و انسیت سونے پر سہاگہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ متمدن اسی ضروریاتِ زندگی مین بافراغت بسر کرنے والے اور دیگر اقوام پر بہت سی باتون مین فوقیت رکھنے ہین، موجودہ عظیم الشان جنگ مین امریکہ کا نمایان حصہ اظہر من الشمس ہے،

---

برخلاف اس کے ہندوستان ہے جہان چپہ چپہ کی زبان مختلف، ہر قوم و جماعت کا مذہب نیا، ہر ایک کا جداگانہ قانون، نہ کوئی غرض و غایت مشترک، نہ اتحاد و موانست، ایک دوسرے کا دشمن، ایک کی ترقی دوسرے کے لیے باعث حسد ہے، جگہ جگہ کا رسم و رواج مختلف، کسی ایک فرقہ کا لباس دوسری جماعت کے لیے باعثِ ننگ و عار ہے اور ایک قوم کا اکل و شرب دوسرون کے لیے باعثِ تضحیک و استہزا ہے



جہان مغایرت کا یہ عالم ہو وہان کی تمدنی حالت اور ترقی ظاہر ہے، اقوام سے لیکر ایک ایک فرد تک تمدنی زندگی سے کوسون پیچھے ہے اور مجبوراً تقلید کا حامی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ سے کسی نہ کسی متحد قوم کے زیر اثر رہا ہے اور ان کے طرز اور تمدنی معاشرت کو احتراماً واجب سمجھتا ہے،

زمانۂ حال کے مختلف مصنفین اس خیال کے حامی ہین کہ جس طرح کسی جاندار کے جسم کے تمام اعضا مین ایک مشترک حیات کام کرتی ہے اسی طرح کی ایک مشترک حیات انسانی جماعت کے مختلف اعضا یا افراد مین بھی پائی جاتی ہے، بعض لوگون نے اس خیال کو تمثیل کے پیرایہ مین پیش کیا ہے، یعنی انسانی جماعتون اور حیوانی یا نباتاتی اجسام کی ساخت مین وجوہِ مماثلت دکھانے کی کوشش کی ہے، اس مین کوئی شک نہین کہ اس قسم کی تمثیلات بعض اوقات حقیقت فہمی مین معین ہوتی ہین، لیکن بحیثیت مجموعی ان سے بصیرت اور حقیقت رسی کی بجائے ذہانت اور طباعی کا ثبوت زیادہ ملتا ہے،

بہرنوع انسانی شخصیت کوئی مستقل بالذات ہستی نہین ہے بلکہ دوسری شخصیتون کے ساتھ کچھ روابط قائم کئے بغیر اس کا تصور تک ناممکن ہے، انسان کی زندگی کا دار و مدار انھین روابط پر منحصر ہے، جسے الگ کر لینے کے بعد یہ فنا ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ کسی عضو کو جسم سے کاٹ لین تو وہ مردہ ہو جاتا ہے، آدمی کی زندگی جس نصب العین، اور جن اخلاقی رسوم و عوائد مین نشو و نما پاتی ہے وہی اسکی اخلاقی زندگی کا تمام تر آب و رنگ ہوتے ہین،

---

# تلخیص و تبصرہ

## عرب کی موجودہ حالت پر ایک علمی مجلس مین مذاکرہ،

گذشتہ جون کے وسط مین رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے ایک جلسہ مین مشہور انگریزی سیاح مسٹر ایچ سینٹ جان فلبی (H.ST.JOHNPHILBY) سی، آئی، ای نے عرب کی موجودہ حالت پر ایک عالمانہ تقریر کی، اس کے بعد ان کو سیاحت عرب کے متعلق خدمات کے صلہ مین برٹن میموریل لکچر کا تمغہ عطا کیا گیا ہے، مسٹر موصوف پہلے شخص ہین جنکو یہ عزت حاصل ہوئی ہے، مجلس مذکور کے رسالہ نے اس جلسہ کی مختصر کاروائی شائع کی ہے، مسٹر فلبی کی تقریر سے پہلے جلسہ کے صدر سر ڈورڈ مکلگن نے تمغہ عطا کرتے ہوئے کہا کہ:-

"یہ تمغہ سر رچرڈ بارٹن کی یادگار مین قائم کیا گیا ہے، سر رچرڈ کو علمی ذوق اور تحقیقات کا شوق اس قدر تھا کہ اس نے ان کو چین سے بیٹھنے نہ دیا، انھون نے وسط ایشیا اور عرب کا خاص طور سے دورہ کیا، اور یہی چیز تھی جس نے اون کو بام شہرت پر پہنچا دیا، مسٹر فلبی نے بھی عرب ہی کی سیاحت مین شہرت حاصل کی ہے، اسلیے اس عزت کا ان سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے، انھون نے گذشتہ دس سال کا اکثر حصہ عرب یا اس کے متصل ممالک مین گذارا ہے، اور انھون نے ایک نہایت ہی دلچسپ کتاب ہارٹ آف عربیا "قلب عرب (نجد) بھی شائع کی ہے، مسٹر فلبی سر رچرڈ کی طرح مشرقی



زبانون کے عالم بھی ہین، اس حیثیت اور دوسری وجوہ کی بنا پر سر بارٹن کی ذمہ داریون کا بار گران اب ان کے کاندھون پر ہے، مسٹر فلبی کو ہندوستان کی سول سروس سے تعلق تھا اور صدر کو بھی، اور دونون نے اپنے وقت کا ایک معتدبہ حصہ پنجاب مین گذارا ہے" اس کے بعد صدر نے تمغہ دیا،

مسٹر فلبی نے اس اعزاز کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ "لوگ یہان اونکی عزت افزائی کے لیے جمع نہین ہوئے ہین، بلکہ یہ اجتماع سر بارٹن کے اعزاز مین ہے، آج سے چار سال پہلے سر بارٹن کی پیدائش کو ایکسو سال گذرے تھے اور اسکی یادگار مین مورٹ لیک مین جہان تمام عمر کی جد و جہد کے بعد وہ اطمینان کی نیند سو رہے ہین، دعا مانگی گئی تھی، لیکن لندن مین ان کی یادگار سے متعلق یہ پہلا جلسہ ہے، ایسے حالات مین حجاز کے متعلق کچھ کہنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کیونکہ سر بارٹن نے ۱۸۵۳ء مین مکہ کا سفر کر کے سب سے پہلے شہرت حاصل کی تھی، اس کے بعد وہ دمشق مین برطانی سفیر رہے اور اگرچہ اس سلسلہ مین اونھون نے شام و فلسطین کے متعلق کافی معلومات حاصل کئے لیکن ان کا اصلی میدان عمل حجاز ہی رہا، اس لیے اس اولین موقع پر اوسی ملک کے متعلق کچھ کہنا در اصل اوس ملک کی طرف توجہ پیدا کرنے کا باعث ہوگا"،

"حجاز کی موجودہ تاریخ ۱۹۰۴ء مین حجاز ریلوے کی بنا سے جو سلطان عبدالحمید مرحوم نے ڈالی اور نوجوان ترکی حکومت کے ۱۹۰۸ء مین حسین بن علی کو شریف مکہ مقرر کرنے کے بعد سے شروع ہوتی ہے، ۱۹۱۶ء مین حجاز ترکون کے مکہ معظمہ سے نکل جانے کے بعد آزاد ہوگیا، لیکن شاہ حسین کے دعوائے حکومت عرب نے اوس کے ہمسایہ وہابی ابن سعود کو اس کا حریف مقابل بنا دیا، ۱۹۱۹ء مین ابن سعود نے شریفی فوج کو شکست فاش دی اور اگرچہ اوس وقت بھی مکہ معظمہ کا دروازہ اوس کے لیے کھلا ہوا تھا لیکن اس نے پیشقدمی نہ کی، حسین نے اس سے عبرت حاصل نہ کی اور جب ۱۹۲۴ء مین ترکون نے خلافت کا منصب موقوف کر دیا تو اس نے اپنی حماقت سے اس عہدۂ جلیلہ کا دعوی کر کے تمام

دنیائے اسلام کو اپنا مخالف بنالیا، ابن سعود آگے بڑھا اور اس نے نہایت آسانی سے ملک کے بیشتر حصہ پر قبضہ کرلیا، شریف حسین تخت سے الگ ہوگیا اور اگرچہ علی اب تک جدہ، مدینہ اور دوسرے شمالی اضلاع پر قابض ہے، تاہم حکومتِ حجاز کے عروج، زوال اور خاتمہ کی تاریخ مکمل ہوچکی ہے،

حسین کی ناکامیابی کے دو اسباب ہین، اول تو اس کا وہ مخلوط اخلاق ہے جو قیام قسطنطنیہ کی وجہ سے ترکی، عربی ہوگیا ہے، اور جس نے اس کے بدوؤن کے متعلق خیالات مین بڑی تبدیلی پیدا کردی ہے اور دوسرے اسکی وہ کوشش تھی جو اس نے عہد موجودہ کی متمدن اشیا، کی ترویج کے متعلق کی، ایک ایسے ملک مین جہان اب تک غلامی رائج ہو اور جہان آگ کے ذریعہ ایک مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہو، اس نے لاسلکی سلسلۂ اور ہوائی جہازون کو رائج کیا، ایک طرف تو تعلیم و تجارت سے تغافل برتا گیا جس سے تمام تعلیم یافتہ طبقہ اوس سے بیزار ہوگیا، اور دوسری طرف پولیس اور فوج کے فقدان سے بدو خودسر ہوگئے، اس لیے جب وہابیون نے حملہ کیا تو اوس کے پاس کوئی فوج مدافعت کے لیے موجود نہ تھی،

حجاز کے متعلق ہمارے معلومات اون متعدد سیاحون کے مرہون منت ہین جو وقتاً فوقتاً وہان گئے، ان مین قابل ذکر برکفارٹ، بارٹن، کینے، ڈاٹی، ہوبر، دیول، اور لادنس قابل ذکر ہین، ان مین بارٹن سب سے زیادہ ممتاز ہے، بارٹن نے بروفارٹ کی قبر کی شکستہ حالت دیکھ کر لوگون کے فقدانِ ذوق کی شکایت کی تھی اور اب خود اس کی قبر اسی حالت مین ہے، برطانی حکومت کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے، جب ۱۸۸۴ء مین ہوبر حجاز مین مارا گیا تو فرانسیسی حکومت نے قومی خرچ سے جدہ مین اس کا مقبرہ بنادیا اور اب تک وہی اسکی حفاظت کے فرائض انجام دیتی ہے،

مسٹر فلبی کے بعد ڈاکٹر ہوگارتھ (DR HOGARTH) نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "اگرچہ بارٹن کی شہرت کا آغاز اس کے سفرِ مکہ سے ہوتا ہے لیکن یہ سفر دراصل عرب کی سیاحت اور نجد تک پہنچنے کا مقدمہ تھا، بارٹن کا خیال تھا کہ وہ پہلے مراسم حج ادا کرے اور اس کے بعد مسلمان



ہوجائے، چنانچہ وہ مرنے کے دن تک اسی مذہب کا پیرو رہا، وہ سمجھتا تھا کہ حج کے بعد اس کو عرب کی سیاحت مین کافی سہولت ہوگی، لیکن اس کو معلوم ہوا کہ شمالی عرب کی سیاحت راہ مکہ سے زیادہ دشوار ہے، چنانچہ مدینہ پہنچنے کے بعد اس نے اپنا سفر ملتوی کردیا اور اپنی مشہور کتاب شائع کی، فاضل مقرر مسٹر فلبی نے حجاز کے موجودہ حالات کے متعلق اظہار خیال کیا ہے، لیکن اوسکی رائے مین حجاز سیاسی حیثیت سے مردہ نہین ہوا ہے، اندرونی قبائل نے پہلی مرتبہ ہی اس پر قبضہ نہین کیا ہے، بلکہ نوین صدی مین اور آج سے ایک سال پہلے بھی ایسا ہوچکا ہے، ممکن ہے کہ کسی قریبی مستقبل مین شریفی خاندان پھر غالب آجائے، لیکن اس کے ساتھ وہ اس خیال مین متفق ہے کہ حجاز ریلوے حجاز کے زوال کا بہت بڑا سبب ہے، اگر مدینہ سے مکہ تک کا راستہ مامون ہوجائے تو اس مین کامیابی ہوسکتی ہے، سلطان عبدالحمید نے اگرچہ یہ ریل حربی نقطۂ نگاہ سے بنائی تھی لیکن اس نے اسے مذہبی رنگ دیا اور دنیائے اسلام سے مالی مدد حاصل کی، مگر اس کا جو حشر ہوا اس نے اوسکی وقعت کا بالکل خاتمہ کردیا ہے، بدوؤن نے اس کی اسلیے مخالفت کی کہ اگر مکہ سے مدینہ تک یہ سلسلہ قائم ہوگیا تو اون کے اونٹون کی نفع بخش تجارت کا خاتمہ ہوجائیگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریل مکہ تک نہ پہنچ سکی ایک دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا اب بھی مسلمانون مین حج کا وہی شوق باقی ہے اور کیا اب بھی ویسی ہی بڑی تعداد وہان جاتی ہے، اب تک اس کے متعلق اعداد شمار حاصل نہین ہوسکے ہین، تاہم اگر اس مین کمی آگئی تو مکہ اور مدینہ جو صرف حج کی وجہ سے اس قدر اہمیت رکھتے ہین اپنی اقتصادی اہمیت کھو بیٹھینگے اور معمولی شہر ہوکر رہ جائین گے،

## فلسفۂ تاریخ عثمانی،

سید محمد جمیل بہیم نے ایک کتاب تین سو صفحون مین "فلسفۂ تاریخ عثمانی" کے نام سے بیروت سے شائع کی ہے، فاضل مصنف نے نہایت شرح و بسط سے استحکام حکومت عثمانیہ کے وجوہ پر بحث کرنے کے بعد اسکی عہد بعہد کی ارتقائی منزلین اور تہذیب و مدنیت کے سلسلہ مین اس کے اصلاحی کارنامے دکھائے،

اور ان پر نہایت فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بحث کرکے سلطنت عثمانیہ کی دوسری ہمعصر سلطنتون کے طرز حکومت اور ارتقائی و اصلاحی کارنامون کا موازنہ کیا ہے، اور ترکون کے عروج و زوال کے اسباب بتائے ہین،

مصنف نے یورپ مین دولت عثمانیہ کی کامیابی کے فلسفہ پر نظر ڈالتے ہوئے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ: ترک جن ایام مین حکومت قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئے اس وقت وہان کے عالم عیسویت مین مذہبی منازعات چھڑے ہوئے تھے، وہان کے عیسائی آرتھوڈکس اور کیتھلک دو فرقون مین منقسم ہوکر آپس مین ہنگامہ آرا تھے، آرتھوڈکس نے فتح عثمانی کے موقع پر حکومت عثمانیہ کا اس بنا پر ساتھ دیا کہ اگر وہ کیتھولک فرقہ سے متحد ہونگے تو رفتہ رفتہ اونکی ہستی فنا ہوجائے گی اور وہ بھی کیتھولک فرقہ سے اپنے کو نہ بچاسکین گے،

یہ تو ترکون یا مسلمانون کی ترقی کا راز تھا، انقلاب زمانہ دیکھو کہ ترکون یا مسلمانون کے زوال کا سبب بھی بالکل یہی ہے، اودھر کیتھولک آرتھوڈکس بلکہ پروٹسٹنٹ بھی آپس مین ملکر ایک ہوگئے اودھر ترکیت و عربیت کے نفاق نے جنم لیا، عربون نے سمجھا کہ اگر ہم دولت عثمانیہ کا ساتھ دینگے تو آیندہ ہماری عربی قومیت فنا ہوجائے گی، اس لیے اُنھون نے ترکون سے کنارہ کشی کی اور یہ دولت عثمانیہ کے زوال کا راز ہے، کیا آج بھی مسلمان اس نکتہ سے سبق حاصل کرین گے؟ -

اگر یہ صحیح ہے کہ تاریخ کی نشر و تبلیغ کا مقصود! گذرے ہوئے وقائع و حوادث سے اپنی اجتماعی و انفرادی زندگیون کے لیے تجربے اور عبرتین حاصل کرنا ہے، اور اگر یہ بھی صحیح ہے کہ تاریخ اپنے ابواب بار بار الٹتی ہے تو ہمین موجودہ قضیۂ نجد و حجاز مین حکومت عثمانی کے اس عروج و زوال کے فلسفہ سے سبق لینا چاہیئے، آج مدعیان علم و فضل جو اپنے دردناک اور یاس انگیز لب و لہجہ مین پبلک سو سائیٹی فارمون اور اخبارات کے کالمون مین "حنفیت و وہابیت" کے فتنۂ خوابیدہ کو جگا رہے ہین اون مین بعض ایک لمحہ کے لیے اس اصول ارتقا اور دوسرے پہلو سے قسطنطنیہ کی قدیم عیسائی سلطنت کے اسباب تنزل پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا سرزمین پاک حجاز مین قضیۂ نجد و حجاز نہین! بلکہ قضیۂ حجاز اور خانوادۂ شریف حسین کے سطے کرنے کے لیے اغیار کی حکومتون کو مدعو کرنا اس تاریخی تقریر [illegible] رکھتے ہوئے جائز ہے، وانتم تعقلون ؟ ،



# لفظ "جوبلی"

المجمع العلمی دمشق

ہماری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی پنجاہ سالہ "جوبلی" آیندہ دسمبر مین ہونے والی ہے، لیکن آپ یہ بھی جانتے ہین کہ اس لفظ کی اصلیت کیا ہے ؟ یہ لفظ اصل مین عبرانی زبان کا ہے، اسے عبرانی مین "یوبیل" کہتے ہین، سامی زبانون کی "ی" یورپین زبانون مین "ج" سے بدل جاتی ہے، اسلیئے "جوبیل" ہوگیا، "یوبیل" کے لغوی معنی "مینڈھے" کے ہین، ظاہرا جشن جوبلی اور مینڈھے مین کوئی مناسبت نظر نہین آتی، لیکن یہ معلوم کرنے کے بعد اس کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ... یہودی ہر پچاس برس پر حصول آزادی کا جشن منانے کیلیے آپس مین مجتمع ہوکر اظہار مسرت کے طور پر قرنا پھونکا کرتے تھے، چونکہ قرنا مینڈھے کی سینگ کا ہوتا تھا اس لیے اس مناسبت سے اس پنجاہ سالہ جشن آزادی کے جلسہ کو "یوبیل" کہا جانے لگا، کیونکہ اس جلسہ کی سب سے نمایان کاروائی قرنا بجانا ہوتی تھی، پھر امتداد زمانہ سے اب ہر پنجاہ سالہ جلسہ کو "یوبیل" اور یورپ کی زبانون مین "جوبلی" کہنے لگے،

اگر اس انکشاف کا علمی حیثیت سے ثبوت چاہو تو وہ یہ ہے: کتاب مقدس کے عہد عتیق کا عبرانی نسخہ اٹھا کر دیکھو، اس کے یوشع ۶: ۵ مین "قرن یوبیل" پاؤ گے جو عربی کے نسخہ مین "قرن الہتاف" ہے یعنی آواز دینے کی سینگ جس کے ذریعہ سے لوگون کو آواز دیجا سکے، اور اردو کے نسخہ مین اس کا ترجمہ "نرسنگھے" کیا گیا ہے،

(الہلال مصر)

# اخبارِ علمیہ

**اغانی کا نیا اڈیشن**، کتب خانۂ قاہرہ کی ادبی مجلس نے طے کیا ہے کہ عربی کی مشہور ضخیم ادبی انسائیکلوپیڈیا کتاب الاغانی کو اعراب اور مشکل جملون کی توضیح کے ساتھ بہایت اہتمام سے شائع کرے، اس کی طباعت مین تقریباً ۸ ہزار مصری پونڈ صرف ہونگے، اور یہ رقم راتب پاشا کے صاحبزادے علی راتب پاشا ادا کرینگے، سب سے پہلے ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) مین اسکی ۲۰ جلدین شائع ہوئی تھین، اس کے بعد ا، برونو نے مختلف قلمی نسخون سے ۲۱ وین جلد مرتب کی اور بریل نے ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء) مین اسے شائع کیا، ان جلدون کی فہرست گبدی نے بنائی اور وہ ۱۹۰۰ء مین چھپی، پھر ان تمام جلدون کی شیخ احمد شنقیطی نے تصحیح کی، اور وہ دوبارہ ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) مین زیورِ طبع سے آراستہ ہوئین، اب جدید اڈیشن مین دوسری کتابون سے بھی بہت کچھ لیا گیا ہے اور خیال ہے کہ ان جلدونکی ضخامت بھی بڑھجائیگی، کتب خانۂ قاہرہ اپنی علمی تحقیق وصحتِ طبع کے لیے مشہور ہے، اور ہم کو امید رکھنی چاہیے کہ یہ نئی جلدین پہلے سے زیادہ بہتر ہونگی، کیا ہمارے ملک مین ایک بھی علی راتب پاشا نہ ہوگا؟

---

**شاہی مشرقی مجلس**، گذشتہ مئی مین انگلستان کی شاہی مشرقی مجلس (رائل ایشیاٹک سوسائٹی) کا سالانہ اجلاس ہوا تھا، پروفیسر مارگولیس اس کے صدر تھے، متعدد اہم تقریرین ہوئین اور اسی سلسلہ مین ڈاکٹر سائکس کو جو السنۂ قدیمہ کے بہت بڑے عالم ہین، اور جنھون نے اون کی تحقیق وترتیب مین اپنی زندگی کے پچاس سے زیادہ سال بسر کئے ہین، ٹرنبل کا طلائی تمغہ



دیا گیا، یہ تمغہ ۱۸۹۷ء مین مقرر کیا گیا تھا، اور اس وقت تک دس آدمیون کو مل چکا ہے،

اسی سلسلہ مین یہ معلوم کرنا بھی دلچسپ ہوگا کہ گذشتہ سال ۱۱۱۰۲ اشخاص مجلس کے رکن ہوئے اور اس وقت ارکان کی مجموعی تعداد ۳۵۰۹ ہے،

---

**یورپین ملکون کا موازنۂ قوت**، یورپ اگرچہ بظاہر جنگ وخونریزی سے بیزار نظر آتا ہے، تاہم اوس کے اربابِ حل وعقد جس خفیہ طریقہ سے اپنی حربی قوت کو مضبوط کر رہے ہین ان کا حال ذیل کے اعداد سے معلوم ہوگا،

| نام ملک | میعادِ خدمت | صلح کے وقت | جنگ کے وقت | طول جنگ کے وقت |
|---|---|---|---|---|
| فرانس | ۱½ سال | ۶۵۷۰۰۰ | ۱۲۰۰۰۰۰ | ۸۰۰۰۰۰ |
| روس | ۲ ″ | ۸۰۰۰۰۰ | ۱۶۰۰۰۰۰ | ۰۰۰۰۰۰ |
| اطالیہ | ۱½ ″ | ۳۰۸۰۰۰ | ۶۵۰۰۰۰ | ۷۵۰۰۰۰ |
| پولینڈ | ۲ ″ | ۲۷۶۰۰۰ | ۵۵۰۰۰۰ | ۵۰۰۰۰۰۰ |
| رومانیا | ۲ ″ | ۱۴۰۰۰۰ | ۳۰۰۰۰۰ | ۲۲۵۰۰۰۰ |
| جوگوسلیویا | ۲ ″ | ۱۱۶۰۰۰ | ۲۵۰۰۰۰ | ۲۰۰۰۰۰۰ |
| زیکوسلیویا | ۱½ ″ | ۱۵۰۰۰۰ | ۳۰۰۰۰۰ | ۲۲۰۰۰۰۰ |
| بلجیم | ۱ ″ | ۹۰۰۰۰ | ۱۸۰۰۰۰ | ۱۵۰۰۰۰۰ |
| اسپین | ۲ ″ | ۱۸۰۰۰۰ | ۳۵۰۰۰۰ | ۳۸۰۰۰۰۰ |
| یونان | ۲ ″ | ۸۶۰۰۰ | ۱۹۰۰۰۰ | ۱۰۰۰۰۰۰ |

---

**بین الاقوامی زبان**، برماند ہے بک انگلستان کا سہ ماہی رسالہ ہے، آجکل اس مین دنیا کی مشترک زبان کے متعلق متعدد اساتذۂ فن اور ماہرین السنہ و سیاسیات کی تحریرین شائع ہو رہی ہین اور یہ مسئلہ در پیش ہے کہ کونسی زبان بین الاقوامی تسلیم کیجائے، بعض اصحاب انگریزی کے حامی ہین اور بعض فرانسیسی کے، تاہم کوئی فیصلہ اس کے متعلق نہ ہوسکا اور خیال ہے کہ یہ مسئلہ بھی تصفیہ کے لیے مجلس اقوام کے سامنے پیش ہوگا، ان تمام مضامین مین کہین پر بھی کسی مشرقی زبان کا تذکرہ نہین ہے، سچ ہے حکومت کے ساتھ علوم و فنون، زبان اور تمدن کا بھی زوال و خاتمہ ہوتا ہے

---

**امریکہ کا قرضہ**، قدیم زمانہ مین صرف غریب افراد ہی مقروض ہوتے تھے، سلطنتین دولتمندی کی آخیر سرحدین سمجھی جاتی تھین، مگر اب دنیا کی کوئی مہذب سلطنت اس بارے خالی نہین، صرف ولایات متحدہ امریکہ کے قرضے جو دنیا کے ہر براعظم پر واجب الادا ہین انکی فہرست دیکھیے،

| براعظم | سرکاری قرضہ | غیر سرکاری قرضہ | میزان |
|---|---|---|---|
| کناڈا وغیرہ | ۱۰۶۰۰۰۰۰۰ ڈالر، | ۴۰۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر، | ۲۴۶۰۰۰۰۰۰ ڈالر، |
| لاطینی امریکہ | ۸۴۰۰۰۰۰۰۰ 〃 | ۳۲۰۰۰۰۰۰۰ 〃 | ۴۰۴۰۰۰۰۰۰ 〃 |
| یورپ | ۱۵۰۰۰۰۰۰۰۰ 〃 | ۴۰۰۰۰۰۰۰۰ 〃 | ۱۹۰۰۰۰۰۰۰۰ 〃 |
| ایشیا وغیرہ | ۴۴۰۰۰۰۰۰۰ 〃 | ۲۵۰۰۰۰۰۰۰ 〃 | ۶۹۰۰۰۰۰۰۰ 〃 |
| میزان | ۳۸۴۰۰۰۰۰۰۰ 〃 | ۵۲۵۰۰۰۰۰۰ 〃 | ۹۰۹۰۰۰۰۰۰۰ 〃 |

---

**دنیا برف سے تباہ ہونیوالی ہے**، ڈاکٹر ڈونلڈ میکمیلان جو ایک بڑے ماہر علوم اور سیاح ہین حال ہی مین منجمد شمال کے سفر سے واپس آئے ہین، اُن کا بیان ہے کہ گرین لینڈ



مین برف کی ضخامت بڑھ رہی ہے اور ممکن ہے کہ ایک مرتبہ پھر تمام دنیا برف سے ڈھک جائے، ماہرین ارضیات کے بیان کے مطابق دنیا ایسے پانچ تجربے حاصل کر چکی ہے سب سے پہلے ۱۶۰۰۰۰ سال پہلے تمام دنیا برف پوش ہوگئی تھی، پھر ۸۰۰۰۰ سال پہلے، پھر ۴۰۰۰۰ پھر ۲۰۰۰۰ پھر ۱۰۰۰۰ پہلے اور اسکے بعد سے محفوظ ہے برف کے اس آخری عہد کے پچاس ہزار سال بعد پھر دنیا برف پوش ہوگئی، اسلیے دنیا کو اب اس حالت مین آنے کے لیے تقریباً ۴۵۰۰۰ سال باقی ہین،

---

**کس دن کام زیادہ ہوتا ہے**، ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ عام لوگون کا یہ اعتقاد کہ انسان ہفتہ کی تعطیل کے بعد دوسرے دن کام کے لیے زیادہ تیار و مستعد ہوجاتا ہے، صحیح نہین ہے، بلکہ کام کرنے کی سب سے زیادہ استعداد بچھلے دنون مین ہوتی ہے، چنانچہ انھون نے تقریباً ۱۱۲ اشخاص پر اس نظریہ کا تجربہ کیا ہے اور ان کے تجربہ نے اوس کی تصدیق کی، وہ اعداد یہ ہین،

| نام دن | صلاحیت کار فی صد درجہ | نام دن | صلاحیت کار فی صد درجہ |
|---|---|---|---|
| یکشنبہ (یوم تعطیل) | ۸۹ فی صدی | چہارشنبہ | ۱۰۰ فی صدی |
| دوشنبہ | ۹۱ فی 〃 | پنجشنبہ | ۸۸ 〃 |
| سہ شنبہ | ۹۷ 〃 | جمعہ | ۸۸ 〃 |
| 〃 | 〃 | شنبہ | ۸۷ 〃 |

---

**مصنوعی ہوا**، حال مین ایک قسم کی مصنوعی ہوا طیار کیگئی ہے، جو غوطہ زنون اور کان کنون کے لیے عام ہوا سے بہت زیادہ مفید ہے،

---

## ادبیات

# کالیداس،

از

پروفیسر محمد اکبر منیر سیاح ایران وعراق، ملتان کالج،

اہل ہند نے فارسی شعراء کو داد ہزاروں دفعہ دی ہے، مگر ولایتی ایرانیوں نے کبھی اس احسان کا بدلہ نہیں ادا کیا، غالبًا یہ پہلا موقع ہے کہ کسی ہندی شاعر کی تحسین کا فرض فارسی زبان کا ایک شاعر ادا کر رہا ہے،

چو ابر آمد از کہسار خیزد　　یکے سازد زمین و آسمان را

خرامد روی دشت و کوہ و صحرا　　پیام خرمی آرد جہان را

چو خرگہ میزند در صحن گلزار　　کند روشن روانِ باغبان را

ببارد قطرہ ہا چون گوہر ناب　　بیارائد عروس بوستان را

چو گردون پر ز اختر می شود باغ　　بماند جوئے گلشن کہکشان را

چمن از گل بخندد چون لبِ حور　　بسازد گلستان ماند جنان را

ہمانا شعرِ کالیداس بُد ابر

کہ خرم ساخت باغِ روح و جان را

بسے گردید این گردونِ گردان　　بسے لیل و نہار آمد زمان را

جہان بیمروت رنگہا ریخت　　کلہ بربود بس گیتی ستان را



بسے شاہانِ سرافراز بودند،　　کہ اسمے ہم نماندہ آن شہان را

ولیکن شعرِ کالیداس برجاست　　کہ آموزد حیاتِ جاودان را

ہنوز آن نغمہ کز "شکنتلا"[1] خاست　　بوجد آرد طیورِ گلستان را

ہنوزش "پیکِ ابری"[2] چون خرامد　　حیات نو دہد ہر عاشقان را

حدیثِ روشنِ شاہانِ ہندی،[3]　　نماید گلستانِ باستان را

چگویم با تو شعرِ نغزِ او چیست؟!　　ببین آئینۂ آبِ روان را

طبیعت با طبیعت گشتہ توأم　　بروں داوند اسرار نہان را

ہمانا چو بارے ز آسمان شد　　کہ در کہسار برگیرد مکان را

بسے در سنگہائے کوہ در ماند　　بسے بنہفت رازِ آسمان را

بسانِ چشمہ آخر منفجر گشت　　بروں زد پیکر آتش فشان را

سرودے زد ببانگ آبشارے　　بوجد آورد تیرہ خاکدان را

فلک بطپید از جوشِ محبت　　کہ فرمان داد مہر خوش عنان را

کہ تا خورشید بربودش ز کہسار

بگردون برد جوئے نغمہ خوان را

[1] شکنتلا:- از روی لغت کسیکہ مرغان او را تربیت کردہ باشند، ترا ترمعروف کالیداس است کہ شاہکار او و یکے از شاہکارہائے ادبی بزرگ دنیا بشمار میرود، [2] پیک ابرے:- اشارہ ایست باشعار معروف کالیداس "میگھ دوت" (پیک ابر)

[3] حدیث روشن شاہان ہندی:- مقصود ازین اشارہ رگو دنش (خانوادۂ رگو) میباشد کہ کالیداس درخصوص رام و دنیا کان او گفت،

بیا برخیز کالیداس! از خواب — یکے بین کشورِ ہندوستان را

بیین دادند چون بر باد تاراج — ریاضِ خطۂ جنت نشان را

بجو احوالِ ہند از بادِ صحرا — بپرس از کوہسار این داستان را

دلِ من خون چکاند بر زبانم — چسان گویم حدیثِ خونچکان را؟!

نمودہ ہندیان سُست عنصر — فرامش معنیِ روح روان را

ببینم گلّہ از گوسفندان، — ببینم مردمِ بے خان ومان را

بود روحت مراگیرد در آغوش — کہ یابم فیضِ طبعِ ہمزبان را

نوائے برکشم آنگہ بہ گلزار — کہ مرغان باز جویند آشیان را

سرودِ من بہ ہمت وکوہ وصحرا

بود بانگ درامِ کاروان را





# باب التقریظ والانتقاد

## سیر المصنفین ج ۱

ادھر چار پانچ سال سے اردو کے قدردانون اور ہواخواہون کو اپنی زبان کی تاریخ کی دریافت وتحقیق کا شوق برابر بڑھ رہا ہے، خدا مبارک کرے، ان کوششون کا نتیجہ یہ ہے، کہ آزاد مرحوم کی افسونگری کا طلسم ٹوٹتا جاتا ہے، اور حقیقت آئینہ ہوتی جاتی ہے، اسی سلسلہ مین سیر المصنفین بھی داخل ہے جو اردو مصنفون کے حالات مین لکھی گئی ہے، یہ اپنے مضمون کی پہلی کتاب ہے، اس کے مؤلف اور جامع مولوی محمد یحیٰی صاحب تنہا بی اے (علیگ) وکیل غازی آباد ہین، تنہا صاحب کا تنہا یہی کارنامہ نہین ہے بلکہ اس سے پہلے وہ اردو ادب مین کئی کتابون کا اضافہ کر چکے ہین،

پیش نظر کتاب ابھی اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے، مصنف نے اردو مصنفون کو تین دورون مین تقسیم کیا ہے، پہلا دور ۱۷۹۸ء سے ۱۸۳۶ء تک، دوسرا دور ۱۸۳۶ء سے ۱۸۵۶ء تک، اور تیسرا دور ۱۸۵۶ء سے ۱۹۱۴ء تک ہے، جلد اول پہلے اور دوسرے دور کے مصنفین پر حاوی ہے، شاید تیسرا دور دوسری جلد کا مضمون ہوگا، چوتھا موجودہ دور جو ۱۹۱۴ء سے چل رہا ہے مصنف نے اس کو اس لیے قلم انداز کر دیا ہے کہ شاید زندہ مصنفین کو اپنی تصنیفات کے متعلق کھلی تنقید ناگوار اور گران گذرے، لیکن اول تو سیر المصنفین کی موجودہ جلد تنقید وتبصرہ سے سراسر خالی ہے، اور شاید ایسی ہی اور جلدین بھی ہون، اس لیے اس کا ڈر فضول ہے، دوسرے یہ کہ زندہ مصنفین کے احساسات اور جذبات کے شیشہ کو ہمارے دست ٹھیس لگانا نہین چاہتے، تو کیا وہ یہ نہین جانتے کہ ہر مصنف اپنی تصنیف کو چھپنے

کے بعد خود اہل تنقید کے پاس بھیجتا ہے، اخبارات اور رسائل والے اس پر اچھی اور بری، خوش کن اور رنج دہ ہر قسم کی رائین اس کے متعلق ظاہر کرتے ہین، تو تنہا، تنہا صاحب کی اس احتیاط سے نکتہ چینیون کی خردہ گیری سے کیا موجودہ مصنفین محفوظ ہین؟ خود ہمارے زندہ دوست نے اپنی یہ کتاب خود اپنی ہی زندگی مین اخبارات درسائل مین تنقید کی غرض سے بھیجی ہے، تو کیا ہم بالفعل اسکی تنقید سے اسلیے محترز ہین کہ ابھی مصنف الحمد للہ زندہ ہے؟ اوسکے مجروح دل کو صدمہ نہ پہنچے؟

بہرحال سیر المصنفین کی یہ پہلی جلد ۲۲۲ صفحون مین پھیلی ہوئی ہے، اردو کا پہلا مصنف، مصنف کی تحقیق مین میر محمد عطا حسین خان تحسین، نوطرز مرصع والے ہین، جو ۱۷۹۸ء مین لکھی گئی، چنانچہ انھین تحسین سے شروع ہو کر یہ جلد امیر مینائی پر ختم ہوئی ہے، پہلے دور مین حسب ذیل بائیس اشخاص کا تذکرہ ہے،

عطا حسین تحسین، ڈاکٹر جان گلگرائسٹ، سید حیدر بخش حیدری، میرزا علی لطف، آشفتہ حسن، میر بہادر علی حسینی، میر امن دہلوی، شیخ حفیظ الدین احمد، میر شبیر علی بیر، مولوی شاہ رفیع الدین، مولوی شاہ عبد القادر، مولوی اسمٰعیل دہلوی، نہال چند لاہوری، میرزا کاظم علی جوان، سری للولال کوی، مولوی اکرام علی، مظہر علی ولا، مولوی امانت اللہ، منشی بینی نرائن، میرزا جان طپش، محمد خلیل خان اشک،

دوسرے دور مین حسب ذیل اشخاص ہین فقیر محمد خان گویا، مرزا رجب علی سرور، مرزا غالب، ماسٹر رام چندر، مولوی غلام محمد شہید، منشی غلام غوث بیخبر، منشی عبد الکریم، منشی امیر احمد مینائی،

اس کتاب کی بہترین تعریف یہ ہے کہ یہ ایک ایسے مضمون پر لکھی گئی ہے جس پر اب تک کوئی کتاب نہین لکھی گئی، اور اسلیے یہ نقش اول ہے، اور اسی بنا پر یہ بجد اصلاح و تکمیل کی محتاج ہے، جو مطالب اور مضامین اس مین یکجا کئے گئے ہین وہ تمامتر اردو رسائل، اور آبحیات سے لیے گئے ہین، ترتیب کے بعد صرف یہ اضافہ ہے کہ ہر کتاب سے کچھ صفحے نمونہ کے طور پر نقل کئے گئے ہین،

۱- سب سے بڑی کمی اس کتاب مین یہ ہے کہ تحقیق و کاوش سے اس مین مطلق کام نہین لیا گیا،



اردو کا پہلا مصنف تحسین کو (۱۷۹۸ء / ۱۲۱۳ھ) قرار دینا تحقیق کا خون کرنا ہے، آزاد مرحوم نے تو اردو نثر کی تاریخ "وہ مجلس" سے شروع کی تھی، تنہا صاحب نے اس سے بھی کم کردی، اردو کی قدیم نثر و نظم کی تاریخ کا اب اتنا دفتر سامنے آگیا ہے کہ اب اس سے دو صدی پیشتر اس کا سراغ لگایا جا سکتا ہے،

۲- مصنف نے آزاد مرحوم کی حرف حرف تقلید کی ہے، حالانکہ تحقیق کا قدم اس اثنا مین بہت آگے بڑھ چکا ہے، اور آزاد مرحوم کا نقش اول اب بے بنیاد اور بے اساس ہوگیا ہے،

۳- جابجا مصنف نے دوسری کتابون اور رسالون سے حرف حرف عبارتین نقل کی ہین مگر [illegible]لہ سے گریز کیا ہے، یہ طریقہ صحیح نہین،

۴- مواد کی بیحد کمی ہے، اگر کم از کم حیدرآباد ہی کی مطبوعہ فہرست سامنے رکھ لیجاتی تو مصنف کو بہت سی نئی چیزین ملجاتین، معارف اور اردو کے گذشتہ فائلون مین بھی کچھ نہ کچھ ذخیرہ تھا،

۵- کتاب مین غیر متعلق باتین بھی آگئی ہین، مثلاً مقدمہ مین رسم الخط کی بحث، زبان کا مسئلہ کہ سیر المصنفین سے ان کو تعلق نہین، مرزا غالب پر جو کچھ لکھا ہے وہ یادگار غالب کا نچوڑ ہے، اس تکرار غیر مفید کی حاجت نہ تھی، خندہ پر مولوی نذیر احمد مرحوم اور ڈاکٹر بجنوری کا مناظرہ بھی موضوع سے خارج ہے، شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمۂ قرآن کے متعلق مولوی نذیر احمد کی رائے کے بہانہ سے جو طویل عبارت نقل کیگئی ہے وہ بھی اَن میل ہے، بیخبر کے حال مین غالب کے دو مطبوعہ خطون کی نقل بھی بے محل ہے کہ ان سے نہ بیخبر کا حال معلوم ہوتا ہے، اور نہ وہ بیخبر کی تحریر کا نمونہ ہے، شاہ رفیع الدین کے ذکر مین شاہ عبد العزیز کی تاریخ وفات درج کرنا بیجوڑ ہے وغیرہ،

۶- غلطیان کافی ہین، مثلاً مشہور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کو متخلص باشتیاق جان کر اردو کا شاعر کہنا، یہ غلطی اورون سے بھی ہو چکی تھی، مگر اسکی تصحیح بھی ہو چکی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی نسبت مولوی بشیر الدین صاحب دہلوی کی تقلید مین یہ کہنا کہ وہ فارسی تصنیف ہے

کس درجہ غلط ہے، اسی طرح ازالۃ الخفا، کو شاہ عبدالعزیز کی تصنیف بتانا ایک فاش غلطی ہے، ازالۃ الخفا عن تاریخ الخلفا، شاہ ولی اللہ کی تصنیف ہے، شاہ عبدالعزیز کا نام لیا تھا تو انکی تفسیر عزیزی کا ذکر کرنا تھا،

کتاب کا نام سیر المصنفین رکھنا بھی ہمارے نزدیک کچھ زیادہ مناسب نہین، اس نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ یہ عام مصنفین کی سوانحمریان ہین، حالانکہ یہ صرف اردو مصنفون کی تاریخ ہے، اسلیے اس کے لیے بہتر نام "مصنفین اردو" کافی تھا،

بہرحال باین ہمہ یہ مجموعہ اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہونے کے لحاظ سے قابل قدر ہے، کہ متفرق مضامین یکجا ہوگئے ہین، اور اسلیے مصنف ہمارے شکریہ کا مستحق ہے، بعد مین آنے والون کے لیے اصلاح و تکمیل کا دروازہ کھلا ہوا ہے، قیمت عہ ر، پتہ :- منیجر دارالاشاعت غازی آباد،

# مکاتبات و مراسلات فارسی ایسٹ انڈیا کمپنی

## با دربار پیشوا

از حافظ احمد علی خان صاحب، ناظم رامپور اسٹیٹ لائبریری

پونا مین مرہٹون کے علمی ذوق کی بدولت تحقیقات تاریخی کی ایک انجمن ہے جس کا نام بھارت اتہاس سنشودھک منڈل ہے، مرہٹی اور سنسکرت کے متعلق یہ انجمن بہت نمایان خدمت کر رہی ہے، کل مہاراشٹر کے پرانے خاندانون سے قدیمی خط و کتابت کے کاغذات جمع کیے اور انکی نقلین شایع کر دین، بہت سے شعرا کا کلام اور انکی سوانحمریان مشتہر کین آجکل اس کے سکریٹری نگا دھر راو نارائن راو موجوم دار ہین، (شاید مجموعہ دار کوئی لقب ہو) انکی توجہ فارسی خط و کتابت پر بھی مائل ہوئی چنانچہ ایک سو اکتیس فارسی خطوط جو ایسٹ انڈیا کمپنی یا اس کے اہل کارون کی طرف سے پیشوا یا امرائے دربار کو بھیجے گئے تھے اصلی فارسی زبان مین شائع کئے ہین، اور اس کے ساتھ ہر خط کا خلاصہ مرہٹی زبان مین بھی چھاپ دیا ہے، اسی سال مین چھپی ہے پانچ روپئے قیمت ہے،



دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالعزیز ابن محمد جعفر پرشین ٹیچر بہاولے اسکول پونا نے فارسی خطوط کی تصحیح کی ہے، دو سو چھپن صفحون پر خطوط ختم ہوئے ہین، چھ صفحون پر خطوط کا دستخط اور مہرون کے فوٹو ہین، ان دستخطون اور مہرون کی فہرست بھی مرہٹی زبان مین لگا دی ہے جسکا پڑھنا دیوناگری دان لوگون کو آسان ہے ۳۴ صفحون پر مرہٹی مین خطوط کا خلاصہ ہے، افسوس کہ فارسی کی تصحیح کامل نہین ہوئی، اس کمی کی وجہ سے بعض مقام پر عبارت کا مطلب سمجھ مین نہین آتا تاہم اس قدر خدمت بھی لبا غنیمت ہے،

سکریٹری انجمن اس کے مرہٹی کے دیباچہ مین یون لکھتے ہین:-

"بھارت اتہاس سنشودھک منڈل کی یہ اٹھائیسوین کتاب ہے، مہاراشٹر کی تاریخ صرف مرہٹی پر منحصر نہین ہے، فارسی، انگریزی، ہندی، فرنگی، کانڑی، مارواڑی اور فرانسیسی وغیرہ مین بھی تاریخی مواد موجود ہے، ان مین سے خصوصاً فارسی زبان تو کچھ مدت تک ہندوستان کی مخصوص راج بھاشا تھی، تواریخ، فرمان اور رسالے سینکڑون اس مین موجود ہین اور تاریخ کے لئے مفید اور نہایت قیمتی ہین، فارسی زبان مین موجودہ سرمایہ تاریخی مہاراشٹر کی تاریخ کی گویا جان ہے،

آج تقریباً چالیس سال سے مہاراشٹر کے فضلا اپنی تاریخ کے لیے سرمایہ بڑی کوشش محنت اور محبت سے جمع کر رہے ہین لیکن فارسی زبان سے جیسا کہ چاہیے فائدہ نہین اوٹھا، اسکی وجہ یہ نہین ہے کہ اس سے فائدہ حاصل کرنا ناممکن تھا، بلکہ یہ سبب ہے کہ فارسی دان کم ہین اور جو ہین ان کو تاریخ کا مذاق نہین ہے، یہ کس قدر عجیب بات کہ سو سوا سو سال پہلے اسی پونا مین فارسی دان مرہٹے اور برہمن بہت سے تھے اور یہ فارسی تعلیم پشت بہ پشت بنڈ دنانا، برانڑے تک باقی تھی، مگر آج خود پیشوا کے فارسی نویس خاندان ہی مین سے فارسی غائب ہوگئی ہے، سوراج کے ساتھ ہی ہمارے ہاتھ سے حکومت کے سامان بھی جاتے رہے

اور فارسی زبان جو سامان حکومت مین سے ایک عنصر تھی وہ بھی ہاتھ سے گئی، اب پھر الف سے شروع کرنا پڑا،

البتہ یورپ مین فضلار نے فارسی کو خوب سیکھا اور اسکی تعلیم جاری رکھی پیشوا کے عہد مین کمپنی کے اکثر عہدہ دارون نے عربی فارسی وغیرہ زبانین سیکھ لی تھین، تاریخ فرشتہ اور بابر کی تزک وغیرہ سو برس ہونے کو آئے کہ انگریزی مین ترجمہ ہو چکے، لیکن ہم نے ابھی تک انکا ترجمہ نہین کیا، پیشوائی کے اخیر عہد کے کئی فارسی کے عمدہ ترجمہ مرہٹی مین ہمارے دیکھنے مین آئے مگر اب رنگ ہی پلٹ گیا،

فی الحال پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے فارسی ذرائع سے سامان لے کر انگریزی مین تاریخین لکھنا شروع کی ہین، ڈاکٹر خان (شفاعت احمد خان) بینی پرشاد، قانون گو بزرگون نے بھی اسی طرح کام کیا ہے، مگر یہ انکی انگریزی تاریخین تو انگریزی ادب کو تقویت دیتی ہین اور ان مین سے کوئی اصل فارسی ذخیرہ کو شائع نہین کرتا، صرف حوالے دے کر قیاسی منصوبے باندھ کر تاریخین لکھنا علمی نظر سے کسی طرح تاریخ سے منسوب ہونیکے قابل نہین ہو سکتے، جس طرح کہ ہم مرہٹی زبان کے تاریخی سرمایہ کو مشتہر کر رہے ہین اسی طرح ہم کو فارسی زبان کی اصل تاریخون کو مشتہر کرنا چاہیئے تاکہ صحت وسقم کا موازنہ ہو سکے جادو ناتھ سرکار نے ایک حصہ فارسی تاریخ کا شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر ابھی تک شائع نہین ہوا۔"

ان خطوط مین کوئی اہم تاریخی واقعات نہین ہین تاہم ایک محقق مورخ کے لئے بہت کچھ مفید ہین،

گورنر جنرل چارلس ارل کارنوالس سپہ سالار افواج شاہی وکمپنی نے معرفت سید نورالدین حسین خان انگریزی وکیل مادھوراؤ نارائن پیشوا کو ۲۸ اگست ۱۷۹۰ء کو لکھا:-

"حقیقت محصول تیرتھ پراگ یعنی الہ آباد کہ بہ مد نظر آرام ورضا جوئی زائران بہ نسبت ایام پیشین خیلے تخفیف نمودند برائے اطلاع مخلص لطف فرمودہ اند ومخلص بہ مقتضائے محبت و وداد نقل افراد مرسولہ نوابصاحب ممدوح بقید ہر قسم پیش آن مشفق ارسال میدارد و در جائے واثق کہ ارادہ نواب معظم الیہ بہمان طریق از فرط رحم وشفقت کہ مملو بر اطمینان وحفاظت زائران است بوجہ احسن جلوہ ظہور خواہد یافت، باقی مراتب از اظہار مسٹر مالٹ صاحب بہادر بہ اطلاع آن مشفق خواہد در آمد۔"

پیشوا کی حکومت کے نزع کا وقت ہے، امرا سب عیش پرست ہین، مگر مذہبی احساس یہ ہے کہ پونا سے بیٹھے بیٹھے نواب وزیر اودھ سے کمپنی کی معرفت یہ تحریک کرا رہا ہے، کہ الہ آباد کے میلہ پر ہندؤن سے محصول کم کیا جائے، یہی گورنر ۹ ار نومبر ۱۷۹۰ء کو اسی پیشوا کو لکھتا ہے کہ ۱۸ اکتوبر کی رات مین قلعہ نندی درگ عرف گردون شکوہ فتح ہو گیا، دوستون کو مبارک ہو،

یہ دوست اس وقت انگریز، پیشوا اور نظام تھے، دشمن ٹیپو سلطان تھا، دوستون نے ملکر ٹیپو سلطان کی سلطنت کو ختم کرا دیا، اور اخیر کو پیشوا بھی اسی گھاٹ اتارے گئے، نظام باقی ہین اور انگریزون کا روز افزون اقتدار،

اس کتاب مین سید نورالدین حسین خان کے چار ہی خط ہین ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کمپنی کے نوکر اور کچھ دنون پونا کے دربار مین انگریزی وکیل تھے، برٹش میوزیم کی فہرست ریو کتب قلمی فارسی کی جلد اول صفحہ ۳۰۴ پر نواب نجیب الدولہ کی سوانحمری درج ہے، اس مین کوئی حمد و نعت نہین ہے ابتدائی ورق پر یہ تحریر ہے:-

"این کتاب از تصنیف خانصاحب قبلہ دو جہان سید نورالدین حسین خان بہادر فخری

کو در احوال نجیب خان نجیب الدولہ بہادر رقم زدہ کلک عطوفت سلک گشتہ واز شروع تا آخر

ادنوشتہ اند، زیادہ والسّلام خیریت انجام "

مؤلف کا کوئی حال نہین ہے، اس تاریخ کی نقل جناب صاحبزادہ محمد عبد السّلام خانصاحب بہادر

پنشنر جج اودھ نے ولایت سے منگا کر اپنی مؤلفہ تاریخ "سرگذشت نواب نجیب الدولہ" مین نقل فرمادی

ہے اور مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ مین ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۴ء مین چھپوا کر مشتہر کی ہے، غالباً یہ رسالہ انہین

سید نورالدین حسین خان کا ہے، رسالہ مین وہ لکھتے ہین کہ سورج مل جاٹ اور نواب نجیب الدولہ کی جنگ مین

عماد الملک کے ساتھ ہاتی پر تھا، یہ واقعہ ۱۱۷۳ھ کا ہے، نورالدین حسین خان کے خطوط ۱۱۷۱ھ کے ہین،

## کتاب المأثور

ازمولوی سید ہاشم صاحب ندوی، مصحح دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

یہ کتاب حال مین بیروت مین طبع ہوئی ہے، علامہ ابوالعمیثل عبداللہ بن خلید المتوفی ۲۴۰ھ کی تصنیف

ہے، اس مین تقریباً چہ سو الفاظ کے متعدد اور مختلف معانی سے مختصر طریقہ پر بحث کیگئی ہے، ادبا کے

اقوال اور شعرا قدیم کے اشعار استشہاد مین پیش کئے گئے ہین، عربی مین اس عنوان پر متعدد کتابین لکھی

گئی ہین، اس عنوان (کتاب ما اتفق لفظہ واختلف معناہ) کے ذیل مین ابوسعید عبدالملک المتوفی ۲۵۱ھ

اور ابوالعباس محمد بن یزید النحوی اور ابراہیم بن یحیی الیزیدی المتوفی ۲۲۵ھ اور ابوالسعادات ہبۃ اللہ بن

علی الشجری المتوفی ۵۴۲ھ[1] وغیرہ نے بھی کتابین لکھی ہین، علامہ ابن خلکان نے علامہ ابوالعمیثل کے علم لغت

اور ادب کی بڑی تعریف کی ہے، انکی ذکاوت اور فطانت کو ضرب المثل کیا ہے، مصنف کی غیر معمولی

شہرت کے لحاظ سے اس کتاب کی قدر و قیمت زیادہ ہوگئی ہے، اسکے علاوہ علامہ ابوالعمیثل کی اور بھی

بہت سی تصنیفین ہین جنمین مشہور یہ ہین، کتاب التشابہ، کتاب الابیات السائرۃ، اور کتاب معانی الشعر وغیرہ

[1] علامہ ابن الشجری کی کتاب الامالی اور حماسہ دائرۃ المعارف مین زیر تصحیح ہے، انکی یہ تصنیف بھی اگر دستیاب ہوجاتی تو کیا کہنا تھا،



چونکہ علامہ ابوالعمیثل ایک زبردست شاعر بھی تھے اس بنا پر ان کے چند منتخب اشعار بھی اس کتاب کے خاتمہ پر طبع کر دیئے گئے ہین، جو دلچسپی طبع سے خالی نہین ہین،

یورپ کے مشہور مستشرق مسٹر کرنکو (سالم کرنکوی) نے اس کتاب کی تصحیح کی ہے اور اس پر جرمنی زبان مین ایک دیباچہ لکھا ہے، جو مصنف کے حالات پر مشتمل ہے، مسٹر کرنکو نے اس کتاب کو ہندوستان کی مایۂ ناز ہستی نواب عماد الملک بہادر مدظلہ العالی کے نام نامی سے معنون کیا ہے، جو نہ صرف ہندوستان کی علمی مجالس کے سرپرست ہین بلکہ یورپ اور دیگر اسلامی ممالک کے علمی طبقہ مین بڑی عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین، خدا تعالیٰ انکی ذات کو ہم تشنگان علم کے لیے خیر و عافیت سے قائم رکھے،

یہ کتاب طلبہ کے لیے بہت زیادہ مفید اور کارآمد ہے، درس کے ساتھ اگر مطالعہ مین رکھی جائے تو اچھا ہے، طباعت اور کاغذ نہایت عمدہ ہے، مسرز پروبستھن، رسل اسٹریٹ نمبر ۴۱، لندن سے طلب کیجائے، اگر متعدد فرمائشین ہونگی تو دائرۃ المعارف مین منگا لیجائینگی تاکہ لوگون کو سہولت ہو،

## سیر انصار

حصہ اوّل،

سیر انصار کا وہ حصہ جس مین انصار کرام رضی اللہ عنہم کے سوانح و حالات اور ان کے فضائل و کمالات مستند ذرائع سے بہ ترتیب حروف تہجی لکھے گیے ہین، ضخامت ۳۶۵ صفحہ، قیمت ہے

"منیجر"

## مطبوعات جدیدہ

**قصص القرآن**، مؤلفہ مولوی علیم الدین صاحب، قرآن مجید مین انبیا علیہم السّلام کے جو واقعات مذکور ہین اونھین یکجا کرکے ایک ایک نبی کے الگ الگ حالات بیان کئے گیے ہین، یہ افسوس ہے کہ واقعات کی تفصیل مین اسرائیلیات سے بہت زیادہ مدد لیگئی ہے، اس لیے اس کا نام قصص القرآن کی بجائے "قصص الانبیاء" زیادہ موزون ہوتا، قصص القرآن کے سلسلہ مین یاجوج وماجوج، ہاروت وماروت، اصحاب فیل اور اصحاب قریہ وغیرہ کے واقعات کی بھی تفصیل ہے، پھر چند سبق آموز حکایتین درج ہین، سب سے آخر مین آنحضرت صلعم کے چند معجزے لکھے گیے ہین، جن مین صحت کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے، انبیاء علیہم السّلام کی فہرست مین حضرت ادریس اور حضرت ہود علیہما السّلام کے نام نہین ہین، ضخامت ۳۰۰ صفحے تقطیع چھوٹی، کتابت وطباعت متوسط ہے، کاغذ اچھا ہے، قیمت ۱۲ر پتہ مرغوب بک ایجنسی چوک متی لاہور،

**معارف القرآن**، مؤلفہ مولوی محمد زاہد القادری، یہ سورہ والعصر کی تفسیر ہے، ابتدا مین مختصر سا دیباچہ ہے جس مین کتاب اللہ سے مسلمانون کی غفلت شعاری کا ذکر کرکے اونھین اس طرف توجہ دلائی گئی ہے، پھر اگلے مفسرین کی افراط وتفریط کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر ایک تمہید مین والعصر کی اجمالی تفسیر ہے، اس کے بعد سورہ کی ایک ایک آیت لیکر علیحدہ علیحدہ تفسیر کیگئی ہے.. خسر کی تفسیر مین پہلے "خسارت" کے چار مدارج قائم کیے گئے ہین، کفر وشرک، باطل پرستی، لہو ولعب اور مال واولاد کی محبت سے سرشار ہوکر یاد خدا سے غافل ہونا، اس تقسیم کے بعد ان مین سے ہر ایک



کی تشریح کیگئی ہے، اس آیت کی تفسیر کے آخر مین "خاسرین کی ایک خاص جماعت" کے عنوان سے علماء سوء وعلماء حیل کے گمراہ کن طرز عمل کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر... آمنو کی تفسیر ہے اس مین آیت آمنت باللہ... پیش کرکے ایمان کے ارکان سبعہ کی مفصل تفسیر ہے اسی ذیل مین علم کلام کے بعض معرکتہ الآراء مسائل کے اجمالی تذکرے بھی ہین، پھر... الصلحت کی تفسیر کرتے ہوئے متصوفین کے بعض گمراہ کن عقائد وخیالات کی تردید کیگئی ہے، رسالہ مفید، اور قابل مطالعہ ہے، ضخامت ۸۰ صفحے کاغذ معمولی کتابت متوسط اور طباعت معمولی ہے، قیمت ۸ر پتہ: منیجر ہلالی پریس دہلی،

**سفرنامہ برہما**، اس نام سے مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی پروفیسر السنۂ مشرقیہ مہادیالے کالج احمد آباد نے اپنے سفر برہما کے سلسلہ کے تمام روزنامچے یکجا کرکے اونھین ایک بسیط اور فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے، یہ مقدمہ ۷۶ صفحون پر مشتمل ہے جو بجائے خود دلچسپ، کارآمد اور معلومات کے لحاظ سے نہایت مفید ہے، مقدمہ مین پہلے برہما کے جغرافی حالات ہین، پھر برہما کی مختلف زبانون کی مفصل تاریخ اور ان پر تبصرے ہین، پھر وہان کے مختلف مذاہب بیان کرکے اونکی برہما مین نشو ونما، عہد بعہد کی ترقی، طریقۂ اشاعت اور اقوام برہما کی بلحاظ مذاہب تقسیم وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے بعد مختصراً تجارتی حالات ہین، پھر آخر مین برہما کے عام اخلاق وعادات، رسم ورواج اور طرز معاشرت وغیرہ پر تفصیلی نگاہ ڈالی گئی ہے، اس کے بعد روزنامچہ ہے، جس مین تاریخ وار ہر قسم کے پیش آمدہ واقعات درج ہین، اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب جس قدر جزئی جزئی حالات دریافت کرسکے وہ سب قلمبند کرلیے ہین، اسلیے اس مین برہما کے ہر قسم کے جغرافی، تاریخی، اقتصادی، تعلیمی، علمی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی حالات ملتے ہین، اس کامیابی کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ سفر ہی مقاصد پیش نظر رکھکر اختیار کیا گیا تھا اس سفرنامہ سے برہما کے متعلق اردو مین بیش بہا معلومات کا اضافہ ہوگیا، اگر چاہین تو اس سفرنامہ سے صرف ترتیب مین تغیر وتبدل کرکے برہما کی بہترین تاریخ

مرتب کیجا سکتی ہے، پچھلی جنگ آزادی اور تحریک خلافت کے تمام واقعات جن سے برہما کا تعلق ہے آگئے ہین، مسلمانان برہما کی ہر قسم کی کیفیت اس مین مذکور ہے، ہندوستان کے اس دور افتادہ ٹکڑے کی اس سے بہتر تاریخ اور سرگذشت ہماری زبان مین موجود نہین، کتابت کی بعض غلطیان رہ گئی ہین اس لیے شروع مین ایک غلط نامہ کا اضافہ کیا گیا ہے، مقدمہ اور روزنامچون کے مضامین پر نظر ڈالکر ایک فہرست مرتب کرکے ابتدا مین درج کیگئی ہے، زبان کی غلطیان کہین کہین ہین، مگر بہت کم ضخامت ۲۰۴ صفحے معارف سائز کاغذ متوسط ہے، کتابت معمولی اور طباعت متوسط ہے قیمت بلا اختلاف کاغذ عمر، عہر، پتہ:- مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی عربک پروفیسر صمادیہ کالج) احمدآباد یا دار المصنفین اعظم گڈھ سے طلب کیجئے

**اچھوت قومین**، یہ انفرمیشن بیورو پنجاب کی طرف سے شائع کیگئی ہے، اس مین سب سے پہلے پنجاب کے بعض بے خانمان گداگر، جرائم پیشہ اقوام مثلاً بوریئے سانسی، مینے اور ہارنی وغیرہ کے متعلق تاریخی اعتبار سے بعض دلچسپ حالات دیئے ہین، اور ہر ہر قوم کے حسب و نسب، زبان، رسوم و عقائد اور عادات و خصائل سے بحث کیگئی ہے، پھر تمام جرائم پیشہ اقوام پر مجموعی حیثیت سے اون کے اصل و نسب، اور یہ پیشہ اختیار کرنے کے وجوہ وغیرہ بتائے گئے ہین، پھر حکومت برطانیہ نے انکی اصلاح اور درستگی مین جو جو کوششین کی ہین ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی سلسلہ مین ان کے مکمل اعداد و شمار کے نقشے اونکی اصلاح و تہذیب مین دیگر ملکی انجمنون کی خدمات وغیرہ بتائے گئے ہین، سب سے آخر مین حکومت کی طرف سے اونکی سکونت گاہون وغیرہ کے حالات ہین، کتاب دلچسپ اور معلومات کے لحاظ سے مفید ہے، انفرمیشن بیورو سے اسکی شکایت نہین کہ کتاب مین شروع سے آخر تک جابجا ہندوستان مین برطانیہ کے فیوض و برکات کیون نمایان کئے گئے لیکن شکایت ہے تو صرف یہ کہ اس اظہار و ادعا کے سلسلہ مین یہ ضروری نہ تھا کہ ان اقوام کے ارتکاب جرائم کا سبب ہندوستان کی بعض قدیم سلطنتون کو قرار دیا جاتا اور جابجا ان پر غیر ذمہ داری کے ساتھ نکتہ چینی کیجاتی، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ سفید متوسط درجہ کا ہے، کتابت متوسط اور طباعت معمولی ہے، قیمت ۸ر پتہ:- انفرمیشن بیورو، لاہور پنجاب،

| عدد چہارم | ماہ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۵ء | جلد شانزدہم |
|---|---|---|

مضامین